۵۰۸۲	۵۰۸۳	۵۰۸۴
~~۴۹۰۲~~	~~۴۹۰۲~~	~~۴۹۰۲~~
۱	۲	۳
مطالعۂ فطرت	جنگنامہ حضرت علی	تصدیق المسیح
۵۰۸۵	۵۰۸۶	۵۰۸۷
~~۴۹۰۲~~	~~۴۹۰۲~~	~~۴۹۰۲~~
۴	۵	۶
اثبات شفاعت	ابکات فروری	گلدستہ نشاط

دیگر اشیاء کھا…			Total میزان			جانور ذبح				روغن				تخم روغن				…یاء سوچنگی و …نی و بہولائی	
Amount of octroi محصول						Quantity, number or value وزن تعداد یا مالیت	Amount of octroi محصول			Quantity, number or value وزن – تعداد یا مالیت	Amount of octroi محصول			Quantity, number or value وزن – تعداد یا مالیت	Amount of octroi محصول			Quantity, number or value وزن تعداد یا مالیت	Amount of octroi
Rs.	a.	p.	Rs.	a.	p.		Rs.	a.	p.		Rs.	a.	p.		Rs.	a.	p.		Rs.
495	7	3	183	10	9					48 —	9	.	.	41 —	2	9			
			13	2	—														
	1	3	—	7	6														
	2			2															
	7	6	—	11	3														
	2			2															
	1	3	—	6	3														
2	4	1	2	13	3														



مطالعہ فطرت

جس کے دو حصے ہیں

حصہ اول

روحانی زندگی

حصہ دوم

جسمانی زندگی

جسکو جناب ڈاکٹر رامانند صاحب لکچرار حفظ صحت پنجاب
پروپرائٹر و سپرنٹنڈنٹ رائل میڈیکل ہال ہیڈ آفس دہلی
نے رفاہ عام کے لئے تصنیف کرکے معزز پبلک میں تقسیم کیا

سنہ ۱۹۱۴ دلی پرنٹنگ ورکس چاوڑی بازار دہلی میں چھپا

وجوہ تصنیف

انسانی فہم وادراک حتی الوسع اس امر کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ کہ خداوند کریم نے خلقت کو پیدا کرکے انسانی دماغ کو اس حد تک قابل بنایا ہے۔ کہ دیگر جانداروں میں سے کسی جاندار کے دماغ میں اس قدر انتشار نہیں ہو کہ وہ انسان کی طرح معلومات حاصل کر سکے۔ اور اسکے ضمن میں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ انسان کس وجہ سے ایسی حرکات اور افعال کا محرک و فاعل ہوتا ہے۔ کہ جن حرکات و افعال کے جزو کل کے نتائج کو کماحقہ طور پر جانتا ہے۔ لیکن انہیں کا مرتکب ہو کر اپنے اور غیروں کے لئے طرح طرح کی تکالیف و مصائب و نقصانات اٹھاتا ہے۔ مثلاً زید جو ایک عقلمند انسان ہے۔ خود جانتا ہے۔ کہ اگر میں نے بکر کو گالی دی۔ تو اسکے بدلے میں بکر ضرور مجکو گالی دیگا۔ اور بڑھتے بڑھتے مارپیٹ و کشت و خون تک نوبت پہونچیگی۔ اور جو کہ بیرے کے باعث بکر کیلئے طرح طرح سے باعث مصائب و تکالیف ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ان امورات پر انسان کو قطعی فیصلہ لکھنے میں ایسی مشکلات سے کام لینا پڑا ہے۔ کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے۔ کہ انسان ان امورات پر ناقابل اپیل فیصلہ دینے سے قاصر رہا ہے۔ اور جن اصحاب نے ان امورات پر جس درجہ تک فیصلہ دیا ہے۔ افسوس۔ کہ دیگر اصحاب نے اس سے بھی زیادہ درجے تک اسکی تردید کردی ہے۔ اور یہ تردید کا سلسلہ ایسا زبردست ہی۔ کہ بڑے بڑے ریفارمرز اور مذہبی پیشواؤں کے خیالات و اصول و فروعات و رسم و رواج کی۔ اسی قسم کے دیگر ریفارمرز و پیشواؤں نے کافی طور پر تردید کردی ہے۔ چونکہ ہمارا دماغ بہ نسبت ان ریفارمرزوں و پیشواؤں کے بہت چھوٹا دماغ ہے۔ اسلئے ہم افسوس کے ساتھ اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ ہم میں اتنی قابلیت بھی موجود نہیں ہے کہ ہم ان ریفارمرز اور مذہبی پیشواؤں کی بحث میں یہ معلوم کر سکیں۔ کہ دراصل دونو میں کونسا شخص راستی پر ہے حتی کہ ہمارے خیالات کسی قسم کے تعصب سے بھی ہوں۔ لیکن تاہم ایسی صورت میں ہم ایک اندھیرے جنگل میں روشنی کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں +

خاکسار مُصنّف

جس کی تصانیف سے نہایت خوش ہو کر ماہ مئی ۱۹۱۴ء سنہ میں عالی حضور ڈپٹی کمشنر صاحب و کلکٹر صاحب بہادر ضلع دہلی و عالی حضور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب بہادر پولیس ضلع دہلی نے دو نہایت اعلیٰ سارٹیفکٹ مرحمت فرمائے ہیں۔

نیازمند رامانند

پروپرائٹر و سپرنٹنڈنٹ ہسپتال ہیڈ آفس ڈاکٹر رامانند اینڈ کو شہر دہلی

نیازمند

مدت مدید سے جناب ڈاکٹر رامانند صاحب لکچرار حفظ صحت پنجاب کا نام جگادھری ضلع انبالہ میں سُنا کرتا تھا۔ اور جناب کی دو چار فلسفانہ تصنیف بھی میں نے دیکھی تھیں۔ چونکہ جس آدمی کو جس بات کا شوق ہوتا ہے۔ اسکی طبیعت زیادہ تر اسی طرف جایا کرتی ہے۔ چونکہ مجھے صوفیانہ و فلسفانہ کتابیں دیکھنے کا ابتدا سے شوق ہے۔ اب ڈاکٹر صاحب موصوف کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس شخص کا وجود نہایت اعلیٰ پارسائی کا ذخیرہ ہے۔ اور اس شخص کی وہ حالت ہے۔ کہ جیسے کسی خانہ داری کے بیچ میں ایک نہایت کامل فقیر کا وجود ہو یہ دوسری بات ہے۔ کہ نگاہِ عام اسکی قیمت پرکھنے کی پوری قابلیت نہ رکھتی ہو۔ اور خلقت سے اپنے آپ کو پرکھوانیکی اس شخص کو ضرورت بھی ہو۔ یا نہ ہو۔ لیکن میری طبیعت بالضرور یہ چاہتی تھی۔ کہ میں ان ڈاکٹر صاحب کے مکان پر حاضر ہو کر ان سے اپنے دل کے چند سوالات کے جوابات حاصل کر کے شانتی و اطمینان حاصل کر دں۔ اور میرا دل پختہ گواہی دیتا تھا۔ کہ میرے نہایت ادق سوالات کا اس فقیری وجود سے کامل جواب ملیگا۔ لیکن میری غفلت سے ابتک وہ وقت نہ آیا تھا۔ کہ میں انکی خدمت میں جا کر ان سے گفتگو کرتا۔ میں ایک دن سیر کر رہا تھا کہ مجھے ایک شخص نے ایک کتاب دی۔ کہ جسکا خلاصہ مطلب یہ تھا۔ کہ ڈاکٹر رامانند صاحب تاریخ ۲۰ جون ۱۹۱۳ء جگادھری سے دہلی تشریف لے آئے ہیں۔ اور تازیست دہلی میں تشریف رکھنے کا ارادہ ہے۔ میں اس تحریر کو پڑھکر نہایت خوش ہوا۔ اور اس سے دوسرے روز صبح کی گاڑی سے سوار ہو کر دہلی ڈاکٹر صاحب موصوف کے درِ دولت پر پہنچا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف بیماروں کے علاج معالجہ میں مشغول تھے۔ لہٰذا میرا نمبر آنے پر میں بھی ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش ہوا۔ میرے حاضر ہونے ہی ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ کیا مطلب ہے۔ میں نے جواب دیا۔ چند سوالات کا جواب لینے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ کہ وہ کس قسم کے سوالات ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ کہ روحانی اُمورات کے متعلق چند سوالات ہیں۔ جو کہ جناب سے حل کرانے کے لئے حاضر ہوا ہوں جواب میں فرمایا کہ فرصت بہت کم ہے۔ لیکن خیر۔ شام کے ۶ بجے کچھ گفتگو ہو سکتی ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کا اس مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اور میں نے ڈاکٹر صاحب کے درِ دولت پر قیام کیا۔ جو تہذیب و اخلاق و گفتگو و فصاحت و بلاغت جو کہ میں نے ڈاکٹر صاحب موصوف میں پائی ہے۔ وہ ایک ایسا سبق ہے۔ کہ جو ہر ایک کے حاصل کرنے کے لایق ہے۔

ماسوائے اسکے جب مجھے چند معززین اہل شہر دہلی و دیگر شہروں کے مُعزز لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے اور جب ڈاکٹر صاحب موصوف کی قابلیت و لیاقت کا ذکر آیا تو سب نے ایک زبان ہو کر یہی فرمایا۔ کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ڈاکٹر صاحب موصوف کا وجود ایک نہایت ہی قابل اور نیک وجود ہے۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے جناب کو عبادت کا از حد شوق ہے۔ جناب کے مزاج میں کسی قسم کا تعصب ہونا تو کیا معنی بلکہ تمام مذہب کے انسانوں کو اپنا بھائی سمجھکر سب سے برادرانہ سلوک فرماتے ہیں۔ اور جناب کے مزاج میں یہ بڑی خوبی ہے۔ کہ ہر ایک مذہب کے ریفارمر

وہر ایک مذہب کی مقدس کتابوں مثلاً - وید - شاستر - قرآن - بائیل - انجیل - توریت - زبور وغیرہ سب کی تہ دل سے عزت فرماتے ہیں - اور اکثر فرمایا کرتے ہیں - کہ مذہبی اختلاف صرف مذہبی فروعات کی وجہ سے ڈلا ہوا ہے - ورنہ کل پیشوائے مذہب - رشی - مہرشی - پیغمبر - اولیاء - انبیاء کے اصول نیک ہیں - اور سب کے سب نیکی پھیلانے اور خلقت کو بھلائی سکھلانے کی غرض سے ظاہر ہوئے تھے - اور وہ اپنی طاقت کے مطابق تقریر سے اور تحریر سے ایسی بھلائی سکھلا گئے - کہ جو تا ابد قائم رہے گی اور اگر ہر ایک مذہب کا انسان اپنے مذہبی پیشواؤں کے بتائے ہوئے طریقہ پر تہ دل سے قواعد کو انجام دیتا ہوا اپنی زندگی بسر کئے جاوے - تو وہ تمام عمر نہایت آنند رہ سکتا ہے وغیرہ وغیرہ - پس جناب کو جب فرصت ہوتی ہے - جناب کا یہی مشن ہے - کہ جناب ہر ایک کو یہی نصیحت آمیز حکمات فرماتے رہتے ہیں -

شام کے ۶ بجے جبکہ ڈاکٹر صاحب موصوف اپنی سندھیا وعبادت میں مشغول ہوئے - تو مجھے یاد فرمایا - اور اجازت دی - کہ جو کچھ آپ کے سوالات ہیں - ان کو بیان کیجئے - میں نے نہایت ادب سے آداب بجا لاکر بیان کیا کہ میرا پہلا سوال تو یہ ہے - کہ دنیا کے مذاہب میں سے سب سے اعلیٰ کون مذہب ہے - دوسرا سوال پھر پیش کیا - کہ خداوند کریم کا وصل کس طرح ہو سکتا ہے - تیسرا سوال یہ بیان کیا - کہ دنیا میں رہ کر کن طریق پر زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ جس سے روح کو اصلی آرام اور خوشی حاصل ہو - چوتھا سوال یہ عرض کیا - کہ جناب کی رائے اور خیال میں انسان کے مرنے کے بعد کیا حالت ہوتی ہے - یہ چاروں سوال بیان فرما کر میں نے عرض کیا کہ مجھے کامل اُمید ہے - کہ یہ ہر چہار سوالات جو کہ میں نے بیان کئے - بڑے بھاری سوالات ہیں - اور کئی جگہ ان کا ذکر اذکار کرنے پر آجتک مجکو کسی نے کافی جواب ویسا نہیں فرمایا ہے - کہ جس سے میرا پورا پورا اطمینان ہو جاوے - لہذا مجھے کامل اُمید ہے - کہ جناب کے حضور سے مجھے ان کا نہایت تسلی بخش جواب ملیگا - ڈاکٹر صاحب موصوف میری تمام گفتگو کو سُنکر مُسکرائے - اور مُسکرانے کے بعد جو کچھ ارشاد فرمایا ہے - اُسکا حاصل مقصد تحریر میں لاکر پبلک کی خدمت میں پیش کرتا ہوں - اور اس پیش کرنے سے سوائے اسکے میرا اور کوئی مطلب نہیں ہے - کہ میں پبلک میں یہ ظاہر کروں - کہ پتھر کی کان میں ہیرے کا وجود بھی ہوتا ہے - لیکن تاوقتیکہ ہیرے کے وجود کی ماہیت کو جاننے والا کوئی کامل جوہری یہ معلوم نہ کرے - کہ یہ ہیرا اس بیش بہا قیمت کا ہے - تب تک وہ ہیرے وجواہرات کی حیثیت ظاہر نہیں ہو سکتی ہے - اسی طرح سے اس مخلوق کے اندر وہ انسان بھی موجود ہیں - کہ جنکے اندر علم ولیاقت وفقیری وسنیاس وتصوف کے سمندر بھرے ہوئے ہیں - اور اُن کو تو اپنے آپ دنیا میں ظاہر کرنے کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہے - لیکن افسوس - کہ ہم بھی ایسے مہاتماؤں سے ایسے بے خبر ہیں - کہ ایسے واہیات رواجوں اور واہیات اشیاء تکلفانہ کے استعمال کی وجہ سے اپنے تمام دینی و دنیاوی فرائض انسان جو کہ معرفت وطریقت کی راہ میں ہماری طرف سے ادا ہونے ضروری ہیں - اُن سب کو بھول گئے ہیں - ہمیں افسوس ہے - کہ ہم دن رات اپنے روپے اپنے حسن اپنی طاقت جسمانی اپنے علم کے نشے میں یہانتک مغرور ومسرور ہو رہے ہیں - کہ ہم کو مہاتماؤں کی خدمت میں جاکر اور اُن کی مناسب خدمت کرکے کوئی بات حاصل کرنے کا قطعی شوق نہیں رہا ہے - یہ ہماری تقدیر کی خوبیاں ہیں - کہ ہم علم آلہی و مہاتماؤں و سچے کامل فقیروں کی صحبت کو بالکل بھول گئے ہیں - بلکہ ہماری عادت ایسی ہو گئی ہیں - کہ ہم کو علم آلہی وعلم معرفت وعلم عبادت کا شوق بالکل نہیں رہا اگرچہ انہیں وجوہات سے ہم ایسے رنج اور تکالیف کے گڑھوں میں پڑے ہوئے ہیں - کہ ہم کو یہ بھی خبر نہیں - کہ ان

رنج اور تکالیف سے نجات حاصل کرنے کا کیا ذریعہ ہے۔ اور آمدنی وخوشی وآرام حاصل کرنیکے طریقے اور نسخے کس جگہ سے دستیاب ہوتے ہیں۔ لہذا میں صدق دِل سے اپنے سب بھائیوں کو سچا یقین دلاتا ہوں۔ کہ اگر روحانی علوم کے متعلق کسی شخص کے اندر کوئی سوال پیدا ہو۔ تو اس کے خیال کے مطابق اب تک وہ حال نہ ہوا ہو۔ تو موجودہ وقت میں ڈاکٹر رامانند صاحب کا وجود ایسا وجود ہے۔ کہ جسکو کسی کامل فقیر یا مہاتما یا فلسفہ داں کا نیک وجود کہہ سکتے ہیں۔ خیر چونکہ مجھ میں علم قابلیت بہت ہی کم ہے۔ اسلیئے میں اپنی کم لیاقتی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اوصاف کی تعریف کو تحریر میں نہیں لاسکتا۔ اسلئے آپ لوگوں کے سامنے ڈاکٹر صاحب موصوف کی سچی تعریف تو تحریر میں لانے سے معذور ہوں۔ البتہ میرے سوالات کھلے جوابات میں جو کچھ ڈاکٹر صاحب موصوف نے خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اسی کا اختصار جناب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

لہذا ڈاکٹر صاحب نے مجھے شام کے وقت بلایا۔ اور فرمانے لگے۔

مقالہ اوّل

فصل اوّل

روحانی زندگی

کہ یہ سوالات ایک دفعہ میرے دِل میں بھی پیدا ہوئے تھے۔ اور میں نے ایک مہاتما سے ان کا انکشاف کیا تھا۔ جو کچھ انھوں نے جواب فرمایا تھا۔ اسکو آپ سُنیئے۔ ایک شایق کے دِل میں یہ سوال پیدا ہوا۔ کہ میں کون ہوں۔ اور کہاں سے آیا ہوں۔ کہاں کو جا رہا ہوں۔ کیا کر رہا ہوں۔ اور جو کچھ کر رہا ہوں۔ وہ ٹھیک ہے۔ یا اس میں کسقدر غلطی ہے۔ خداوند کریم پرماتما سرب شکتیمان جسکا نام کہ میں ہر ایک انسان کی زبان سے سُنتا ہوں۔ وہ کیا ہے۔ اور میرا اُس سے کیا تعلق ہے۔ اور مجھے اُس کے ساتھ کیا تعلق رکھنا چاہیئے۔ اُس تک رسائی حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ چونکہ وہ حالت مجذوب کی حالت تھی۔ لہذا اس جذبہ عشق میں اُسکے دلمیں یہ سوال پیدا ہوا

کہ اے پرماتما خداوند کریم تم ہم کو اپنے یہاں آنے کا راستہ دکھلاؤ

جونہیں آنکھیں بند کیں معلوم ہوا کہ

مَیں ایک نہایت تیزی کے ساتھ پھینکا جا رہا ہوں۔ نہ معلوم کس نے مجھے پھینکا ہے۔ اور کہاں سے پھینکا گیا ہوں۔ جب بہت عرصہ تک یہی حالت رہی بعد میں معلوم ہوا کہ مَیں ایسی جگہ پڑا ہوا ہوں کہ جو جگہ نہایت ٹھوس ہے۔ ہلنا چاہتا ہوں لیکن سفر کی وجہ سے ضعف اسقدر طاری ہو رہا ہے کہ ہلا تک نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں ضعف کم ہوا اور ہلنے جلنے کی طاقت پیدا ہوئی۔ ہاتھ پھیلا کر دیکھا کہ جس جگہ پتھر کی طرح پڑا ہوا ہوں وہ جگہ نہایت ٹھوس ہے۔ اور چاروں طرف نہایت ہی تاریکی یعنے اندھیرا ہے۔ آنکھ کھولتا ہوں لیکن سوائے

نہایت گہرے اندھیرے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں کون ہوں۔ کہاں سے آیا ہوں۔ کس نے
مجھ کو پھینکا تھا۔ کہاں کو اور کیوں پھینکا گیا ہوں۔ لیکن افسوس اُن تمام سوالات میں سے کسی سوال کے بجز
کا جواب بھی نہیں ملا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اندھیرا آہستہ
کچھ کچھ روشنی میں تبدیل ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ جگہ جہاں میں پڑا ہوں نہایت لق و دق میدان ہے۔ نہ اس
جگہ سوائے میدان کے کچھ چیز ہے۔ میں حیرت زدہ تھا۔ کہ اے خداوندا یہ کیا بھید ہے کہ تھوڑی دیر میں
وہ اندھیرا بالکل دُور ہو گیا۔ اور وہ روشنی یہانتک بڑھی کہ اس میدان میں اسقدر روشنی دکھلائی دیتی تھی کہ
جیسے سینکڑوں کوس کی چیز اپنے پاس پڑی ہوئی دکھلائی دیتی ہے۔ میں اُٹھ بیٹھنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن
اُٹھا نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر میں وہ میدان ہلنا شروع ہوا۔ اور اُس میدان میں سے لاکھوں قسم کی چیزیں نکلنی
شروع ہوئیں۔ ہر قسم کی چیز مثلاً جڑی بوٹی۔ چرند۔ پرند۔ درخت۔ نباتات۔ حیوانات وغیرہ۔ اور دیگر
قسم کی چیزیں نکل رہی ہیں۔ اور نہایت قرینے سے مناسب جگہ چُنی جا رہی ہیں۔ کسی جگہ نہایت بڑے
بڑے پہاڑ آسمانوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ کہیں کہیں بڑے بڑے بحر اعظم سمندر موجیں مار رہے ہیں۔
اس تمام اسباب میں ایک قسم انسان بھی موجود ہے۔ لاکھوں آدمی جوان۔ بچے۔ بوڑھے۔ مرد۔ عورت
نہایت خوش و خرم ہر چہار طرف پھرتے نظر آ رہے ہیں جس کو دیکھو نہایت خوش ہے۔ کہیں کہیں ایسی
مشہور رنڈیوں کا گانا ہو رہا ہے۔ کہ بہشت کی حور کو بھی اُنکے مقابلہ میں شرم ہے۔ کہیں کہیں رستم جیسے
پہلوان شیروں کی طرح اپنے زور میں اکڑ رہے ہیں۔ کس کی مجال ہے جو اُن کے سامنے آوے۔ کہیں کہیں
دولت کے اوپر غرور کا جھنڈا بڑی آب و تاب سے پھرک رہا ہے۔ اور ظاہر کر رہا ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے
ایسے ہی رہیں گے۔ کہیں کہیں حسین آدمی تمام دن اپنے بناؤ سنگار میں مشغول رہتے ہیں۔ کہ دُنیا میں ہم بھی
کچھ چیز ہیں۔ کہیں پر حاملہ عورت اپنے حمل کی طرف دیکھکر اپنے دل میں خیال کر رہی ہے کہ میرا بچہ پیدا ہو کر
مجھے خوش کر کے پھر جوان ہو کر خوب طرح طرح کے آرام دیگا۔ کہیں پر عالم لوگ تمام دن اسی بحث میں غلطاں و
پیچاں ہیں۔ کہ ہم جو چاہیں سو کر دکھائیں۔ کہیں پر نہایت ہی خوشی سے شادیاں رچی جا رہی ہیں کہیں
پر وزیر اور بادشاہ کسی ملک کو تباہ کر کے اُس کے فتح کرنے کے بارہ میں مشورہ کر رہے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
غرضیکہ ہر ایک آدمی خوش و خرم نظر آتا ہے۔ اُن میں کوئی ہماری طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں۔ کہ یہ جو آسن
جمائے کچھ چپ رہے ہیں۔ ہمارے والد ہیں۔ ایک کہتا ہے۔ ہمارے بھائی ہیں۔ ایک عورت کہتی ہے
ہمارے خاوند ہیں۔ ایک کہتے ہیں کہ ان سے ہماری دید شنید ہے۔ غرضیکہ جو وہاں موجود ہے۔ ہم سے اپنا
کچھ نہ کچھ تعلق ضرور جتلاتا ہے۔ اگرچہ ہم سوچتے ہیں۔ کہ اے پرماتما اتنی دیر میں یہ کیا ہوا۔ یہ کون لوگ ہیں
کس طرح ہم سے سب کے سب اپنا رشتہ جتلا رہے ہیں۔ اور در اصل یہ کیا معاملہ ہے۔

اگرچہ ہم اُن کی طرف دیکھکر اس معاملہ کو غور سے سوچ رہے ہیں لیکن ہمارا اصلی خیال اُسی سوال میں آ ڈٹا
ہے کہ جس کو لیکر ہم آسن پر بیٹھے تھے۔ کہ

اے خداوند کریم! تم ہم کو اپنے یہاں آنے کا راستہ دکھلاؤ

اتنے میں اُن سب انسانوں میں کچھ آثار غمی نمایاں ہوئے۔ جس کو دیکھو غم زدہ ہو رہا ہے۔ کہیں پر

ایسی آگ لگی کہ جو کچھ سامان تھا جلکر خاکستر ہوگیا۔ کہیں پر دریا ٹوٹ پڑا۔ جتنے آگے آئے سب بہ گئے۔ کہیں پر ایسا زلزلہ آیا کہ لاکھوں مکان آناً فاناً میں گر پڑے اور اُن کے نیچے لاکھوں آدمی وغیرہ دب کر مر گئے۔ کہیں پر ہیضہ بڑے زور شور سے ہو رہا ہے۔ ہزارہا آدمی تڑپ رہے ہیں۔ کہیں پر پلیگ کا سیاہ جھنڈا بڑی شان و شوکت لہرا رہا ہے۔ لاکھوں جانوں کی صفائی کردی۔ چاروں طرف رونا پیٹنا ہو رہا ہے۔ اتنے میں دیکھا کہ کچھ آدمی جنازہ اُٹھائے ہوئے جا رہے ہیں۔ اور ہماری طرف اشارہ کرکے کہہ رہے ہیں کہ یہ اُن کے والد تھے جگر ریگے دو سرے اسیطرح سے آئے وہ کہہ رہے ہیں کہ آج اُن کے بھائی انتقال کر گئے۔ یہ ہوتے ہوتے دیکھا کہ اُس جنگل میں لاکھوں چتائیں جل رہی ہیں اور قریب قریب وہ سب لوگ چتاؤں میں رکھ دیے گئے باقیماندہ خود تڑپ تڑپ کر مر گئے اُن تمام چتاؤں کا دُھواں یہاں تک پھیلا کہ تمام میدان میں دھواں دھار ہوگیا۔ اور وہ دُھواں گنبد کے موافق سیدھا آسمان کو گیا۔ اُس میں سے نہایت تیز آواز سے ایک گولہ پھٹا جو کہ اس سے بھی بلندی پر پہنچا اُس کے اندر سے ایک اور گولہ پھٹا جو کہ اُس سے بھی نہایت دُور چلا گیا جب وہ گولہ آسمان میں اتنی دُور چلا گیا کہ ہماری نظروں میں ایک ذرّے کے موافق آنے لگا۔ تو وہاں جا کر وہ گولہ نہایت ہی تیز آواز سے پھٹا اور اُس میں سے ایک نہایت تیز چیز بجلی کے موافق چمکتی ہوئی دکھلائی دی اور اُسمیں سے ایک نہایت باریک آواز آئی

دیکھا تم نے ہمارے یہاں آنے کا راستہ

فصل دوم

خُدا

پہلا سوال جو کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خدا کیا ہے۔ اور فطرت اُس حیرت انگیز مُطابقت کی طرف اشارہ کرکے جو نشو نما کے دانشمندانہ انتظام میں پائی جاتی ہے۔ دلیرانہ اور بلا تامل اُس کا جواب دیتی ہے۔ یہ مُطابقت ایک وحدہٗ لاشریک اور انتظام نشو نما ایک آن دیکھے منتظم کا پتہ دیتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی منطقی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ ریاضی کی رو سے ذات باری کا کوئی ثبوت ملنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مدار حواسوں کی شہادت پر ہے۔ جو کہ نہ فطرت پیدا کر سکتی ہے۔ اور نہ کوئی مقامی الہام۔ البتہ مشاہدے سے اس بات کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور جیسے کہ ہم اُس ثبوت سے انکار نہیں کر سکتے کہ جس کا مدار حواسوں کی شہادت پر ہے ویسے ہی اُس ثبوت سے بھی انکار نہیں کر سکتے جو مشاہدے اور استنباط پر مبنی ہو۔

ہمیں اُس صانع کی **تلاش** ہے۔ لیکن اُس کا پتہ نہیں ملتا۔ دُوربین اُس ستارے کو ہمارے قریب لے آتی ہے۔ جسکو ہم تک پہنچنے میں لاکھوں برس لگتے ہیں۔ لیکن اُس صانع کو دریافت نہیں کر سکتی۔ خوردبین ہمیں اس قابل کر دیتی ہے کہ ہم پتھروں میں حیوانی زندگی معلوم کر لیتے ہیں۔ لیکن اُسکے دکھلانے میں یہ بھی مجبور ہے علم کیمیا آکسیجن ہائیڈروجن اور کاربن کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر سکتا ہے۔ لیکن اُسکے بنانے والے کو اُن کے کاموں سے جُدا نہیں کر سکتا۔ ایسا کیوں ہے یا فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ علم تشریح کا ماہر چھری ہاتھوں میں

بلکہ انسان کے جسم کو چیرتا ہے۔ ہڈیاں خون دماغ وغیرہ تو دیکھتا ہے لیکن روح نہیں دیکھ پڑتی تو کیا ہم میں روح نہیں ہے۔ ہر شخص کو چاہیئے کہ اس کا جواب خود دے اور پھر بتلائے کہ اُسکے روبرو جو مخلوقات ہیں انہیں کوئی خدا ہے یا نہیں +

فصل سوم

فعلِ خدائی

عموماً طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ دُنیا میں یا دُنیا کے باہر (اگر کوئی جگہ ہوگی) جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا اور ہوگا وہ سب خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور چونکہ خدا کے فعل کو ہمیشہ نیک اور دُرست مانا جاتا ہے۔ اِس لئے اُسکے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا اور ہوگا وہ بالکل نیک اور ٹھیک ہے۔

اِس میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ افعال نقصان دہ (جن کو انسان افعالِ بَد کے نام سے موسوم کرتا ہے) بھی خدا کے حکم سے ہوتے ہیں۔ اگر خدا کے حکم سے ہوتے ہیں تو پھر سزا یا جزا کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے۔ اگر جواب دیا جاوے کہ سزا اور جزا بھی خدا کے حکم سے ہوتی ہے۔ تو عالمانہ اور منصفانہ اُصول کے مُطابق ایسا ہونا بالکل بعید ہے کہ خداوند کریم اپنی تحریک اور اپنے ارادے سے پیشتر حیوانات سے خود طرح طرح کے افعالِ بد کرا کر پھر اپنے قاعدے کے مُطابق خود ہی اُن کو سزائیں دے۔

ساتھ ہی اسکے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اگر تمام دنیاوی و منتظمانہ افعال کا محرک خداوند نہیں ہے تو کون ہے۔ اور اگر اسکے جواب میں یہ بیان کیا جاوے۔ کہ انسان خود مختار ہے۔ لیکن چونکہ اسکی مرضی کے مطابق اسکی خواہش کا پُورا ہونا صاف طور پر اسکے حدِ اختیار سے باہر نظر آتا ہے۔ اسلئے بالضرور ماننا پڑیگا کہ انسان خود مختار نہیں ہے اگر یہ جواب دیا جاوے کہ کوئی دیگر طاقت ہے جو کہ فعل مختاری کی قابلیت رکھتی ہے اور اُس کا نام نیچر۔ قدرت وغیرہ کے نام سے موسوم کیا جاوے تو وہ سب خداوند کریم اور اسکی طاقت کے نام ہیں۔ جو کہ اپنی اپنی زبان میں بولے جاتے ہیں۔ بے شک اگر خدا کامل منتظم نہ ہوتا اور ہر وقت موجودہ یا آنے والے اُمورات کے انتظام کو مدنظر نہ رکھتا۔ اور ابتدائے آفرینش سے ہر ایک چیز کو اسکی ضروری جگہ مُہیّا نہ کرتا۔ اور غیر ضروری چیز یا فعل کی بیخ کنی یا اُس کا عدم نہ کرتا تو دنیا میں بدانتظامی ہونے کے علاوہ دنیا کا وجود ہی نہ ہوتا۔ قتل۔ غارت گری۔ آتشزدگی۔ طغیانی۔ وبا۔ موت زحمت۔ تکلیف مُصیبت وغیرہ جن کو انسان اپنے لئے غیر ضروری اور نقصان دہ خیال کرتا ہے۔ شاید اسی کے خیال میں غیر ضروری ہوں۔ جس طرح بادی النظر میں چمگادڑ کی آنکھ سُورج اور اُس کی روشنی کو غیر ضروری اور نقصان دہ خیال کرتی ہے۔ برتن پکانے والا کمہار بوجہ بھیگ جانے آوے[1] کے بارش کو غیر ضرورت اور نقصان دہ خیال کرتا ہے۔ کم فہم بیمار اپنے دُنبل میں نشتر لگتے وقت اُس کی تکلیف کو نقصان دہ خیال کرتا ہے بے سمجھ شاگرد اُستاد کی گالیوں۔ جھڑکیوں مار پیٹ کو اپنے لئے نقصان دہ خیال کرتا ہے اسیطرح جب کسی باغ کا غافل مالی کسی رَوِش کے صاف کرتے وقت سب قسم کی گھاس خشک یا سبز پودے۔ جڑی بوٹی جڑ سے اکھاڑ کر اس روش کو صاف کر کے دوسری چیز کے لگانے کی تجویز کرتا ہے۔ اور اُس کی سمجھ میں وہ تجویز

[1] آوا اُس جگہ کا نام ہے کہ جہاں پر کمہار لوگ برتن چُن کر آگ کے انبار میں برتن پکاتے ہیں ۱۲ +

بالکل ٹھیک ہی خود اُن جڑی بوٹی اور پودوں کے حق میں نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو۔ تو اسی طرح خداوند کریم پرماتما سرب شکتیمان سرب دیا ایک ایشور نے اپنے حکم اور ارادے سے جو کچھ کیا ہے اور کر رہا ہے اور کریگا وہ اُسکی رائے میں بالکل ٹھیک اور نیک ہی۔ خواہ کسی شخص کی رائے میں اُس کا کوئی فعل نقصان دہ یا غیر ضروری یا ناقص ہی کیوں نہ سمجھا جاوے۔ لیکن اُس لاانتہا طاقت کے ارادے اور رائے کے مقابلہ میں ایک عاقل سے عاقل شخص کی رائے کیا وقعت رکھتی ہے۔ خواہ اُس انسان کو اپنی کسی مشق سے کتنے ہی کراماتی مدارج تک حاصل کیوں نہ ہو گئے ہوں اور انسانوں کی جماعت میں وہ کتنا ہی واجب التعظیم کیوں نہ ہو +

فصل چہارم

عبادت

صرف اِس وجہ سے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے خدا کی عبادت کرنا لازمی امر سمجھا جاوے کہ وہ طاقت واجب التعظیم ہے۔ دوسری کوئی وجہ نہیں ہے اور جیسے کہ ہم روزمرہ دیگر جگہ کو واجب التعظیم سمجھ کر اُس کی تعظیم کرنا فرض منصبی خیال کرتے ہیں۔ اسیطرح اُس لاانتہا طاقت کی تعظیم بھی نہایت واجب ہے۔ اور ایسی تعظیم کو پورا کرنے کے لئے مختلف مذاہب کے ریفارمروں نے مختلف طرائق سے مختلف احکام جاری کئے ہیں۔ بلکہ اُن احکام کی نافرمانی کرنے والے کو اپنے اُصول مذاہب کے مُطابق سزائیں مقرر کی ہیں۔ لیکن

اِس میں

بڑا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عموماً طور پر طریقہ عبادت کیا ہونا چاہیئے کہ جس میں کسی تردید ترمیم کی گنجائش نہ ہو۔ پس اس سے زیادہ طریقہ عبادت کیا ہو گا کہ دل میں انسان اس امر کا خیال رکھے کہ اس کائنات کی محرک کوئی طاقت ہے جس کو ہم اپنی زبان میں ایشور۔ خدا۔ گاڈ۔ قدرت۔ نیچر وغیرہ ناموں سے موسُوم کرتے ہیں۔ اور وہ بالضرور ایسا کام کر رہی ہے۔ کہ جیسے حمل کے اندر بچہ کی پرورش ہوتی ہے۔ مگر بچہ کو مُطلق معلوم نہیں کہ میری پرورش کن ذرائع سے ہو رہی ہے۔ اگرچہ سب چیزوں کی نشو نما کا دارومدار اسباب کے قدرتی افعال پر ہے۔ لیکن اسباب میں ایک خاصیت پیدا کرنا بالضرور کسی طاقت کا کام ہی۔ اگرچہ یہ بھی مانا جا سکتا ہے کہ اسباب میں طاقت اسی طرح موجود ہے اور اِن کی ابتدائی حالت کوئی نہیں ہی بے شک اس کا جواب غیر ضروری ہو گا۔ اور اسکی تردید مشکل ہو گی۔ کیونکہ کسی علم کا یہ منشاء نہیں ہے کہ اسباب میں فلاں وقت سے فلاں طریقہ سے فلاں طاقت نے ایک طاقت پیدا کی ہے۔ سوائے مذہبی دلائل کے (جن کی تعلیم تحکمانہ ہے اور جن کا سلسلہ اپیل منقطع ہے) اور کوئی مدلل ثبوت اس امر کا نہیں ہی کہ کوئی شخص خدا کی طاقت کو سوائے قیاس کرنے کے منطق یا ریاضی سے پختہ طور پر سمجھا جا سکے۔ پس اگر انسان کو عبادت کا شوق ہو تو اُس کو مناسب ہے کہ وہ صبح و شام قریب آدھ گھنٹہ ایسی جگہ میں بیٹھ کر کہ جو جگہ شور و غل و زیادہ اسباب سے محفوظ ہو اپنی طبیعت کو دیگر دنیاوی کاروبار اور تعلقات سے مبرا کر کے بیشتر بہت دنوں تک

اپنے باطنی مکان کو ان باتوں سے صاف کرے کہ جو باتیں وہ اپنے لئے نقصان دہ خیال کرتا ہے۔ کیونکہ روحانی علماء ان کے نزدیک جیسے کہ ایک لطیف مزاج آدمی اُس مکان کو کہ جس میں اُس کو قیام کرنا ہے اُس کی میل کچیل اور ہر قسم کی بدبو اور کوڑے کرکٹ کو صاف کرا کر اُس کی مرمت بھی ضروری سمجھتا ہے۔ اسی طرح جب انسان کے باطنی مکان میں نیکی کے وجود کا قیام کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ تو اُس باطنی مکان کو ہر ایسے افعال قبیحہ سے کہ جنکی مشق نے انسان کی روحانی و جسمانی زندگی کو بہت صدمہ پہنچایا ہے۔ پیشتر اس امر کی کوشش کرے یعنی اوّل میں بیٹھتے ہی خیال کرے کہ میں ایسے کسی فعل کے کرنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ جو میری کانشنس کے مطابق مجھے کبھی نہ کبھی نقصان پہنچا دے گا۔ مَیں نے آج کونسا ایسا کام کیا ہے یا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ میری کانشنس کے مطابق مجھے کرنا واجب نہیں ہے۔ اگرچہ میری ضروریات مجھے اس کے کرنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ تاہم مَیں جانتا ہوں کہ اگر کسی ضروریات پر میں قادر آجاؤں تو میں اپنی کانشنس کے حکم کے مطابق عمل کرونگا۔ ایسا کرتے کرتے جب انسان کا باطنی مکان صاف ہو جاوے۔ اور اس کی کانشنس اُس کے افعال پر اس قدر قادر ہو کہ وہ اپنی غیر ضروری خواہشات کو پورا کرنے کے ارادوں سے باز آجاوے کہ وہ اپنی کانشنس کے مُطابق افعال سے پیدا کردہ سامان پر قانع ہو تو سمجھ لینا چاہئیے کہ اُس نے عبادت کی پہلی سیڑھی پر پختہ طور سے پاؤں رکھ دیا ہے اور ممکن ہے کہ اُس کی کوشش اس کو دوسری سیڑھی پر چڑھا دیوے چونکہ اکثر عوام آدمی بغیر اپنے باطن کو صاف کئے یہ سوالات کرتے ہیں کہ خدا کیا ہے۔ اس کا حصول کس طرح ہے پس اُن کو اس وجہ سے کوئی کافی جواب نہیں ملتا ہے اور نہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ اگر پرائمری کی پہلی جماعت کا لڑکا ایک عالم آدمی سے یہ سوال کرے کہ علم صرف و نحو کا کن موقعوں پر استعمال ہوتا ہے۔ تو جیسے کہ وہ عالم سوائے اس کے اُس کو یہ سمجھاوے کہ پیشتر تم کچھ باقاعدہ تعلیم حاصل کرو۔ بعد ازاں تم اس قابل ہوں گے کہ تم کو علم صرف و نحو کی تاثیر سے آگاہ کیا جاوے اس کے جواب میں اگر وہ لڑکا اصرار کرے تو اُس کا اصرار ایسے ہی فضول ہو گا جیسے کہ ایک تاریک باطنی انسان کی طرف سے (تاوقتیکہ وہ کچھ نہ کچھ مشق کر کے اپنے باطن کی تاریکی دور نہ کرلے) یہ سوال ہو کہ خدا کیا ہے اور کہاں رہتا ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے۔

کیونکہ اس علم کے ماہران نے اس کو گو مگو کہا ہے۔ گو مگو کے یہ معنی ہیں کہ اُس کی حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔ جیسے کہ ایک آدمی مٹھائی کی بابت یہ سوال کرنے لگے کہ مٹھائی کیسی ہوتی ہے۔ تو چونکہ مٹھائی کی تعریف انسان زبان سے نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے کہ اس کا یہ جواب دینا پڑے کہ تم خود کھا کر دیکھو خود ہی معلوم کر لوگے اسی طرح جو باتیں قابل بیان نہیں ہیں وہ زبان سے یا کسی دیگر اشارہ سے نہیں سمجھی جا سکتی۔ کیونکہ اُن کا تعلق صرف روح انسانی سے ہوتا ہے۔ اِس لیئے وہ باتیں روحانی مشق سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ -+-

فصل پنجم

پرستش یعنی پوجا

ہر ملک میں انسان ایک دوسرے کی درجہ بدرجہ پوجا کرتا ہے۔ پُوجا کے صحیح معنے یہاں پر خدمت کے ہیں۔

لیکن خدمت کا لفظ انسان کے اندر باہمی استعمال ہوتا ہے اور پوجا کا لفظ اُن طاقتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ جو طاقتیں انسان سے بیش ہیں۔ اکثر مقامات میں اوتاروں رشیوں مہرشیوں بزرگوں ریفارمروں کی ہر قسم کی دھات لکڑی ربڑ وغیرہ کی تصویریں بنائی جاتی ہیں۔ اور یہاں تک خدمت کیجاتی ہے کہ ان کو زیورات پہنا کر اُنکے آگے طرح طرح کے کھانے رکھ کر اُن کے آگے گا کر ہنس کر رو کر ہاتھ جوڑ کر سجدہ کیا جاتا ہے۔ بیشک پجاری کے اندر یہ خیال ہوتا ہے کہ در اصل میں اس تصویر کی پوجا نہیں کر رہا ہوں بلکہ اس بزرگ یا اوتار یا پیغمبر کی روح کی خدمت کر رہا ہوں جس کا کسی زمانہ میں ظہور ہوا تھا۔ اگرچہ اس قسم کی پوجا بھی ایک قسم کی بزرگوں اور اوتاروں کی روح کی خدمت ہے اور ایک طرح کی تعظیم ہے۔ جیسے کہ ہمارے دل میں اپنے بزرگوں کی بعد تعظیم رہتی ہے۔ لیکن عالمان کے نزدیک یہ تعظیم اس مقدار اور اس درجہ سے بڑھی ہوئی ہے کہ جیسی کہ مناسب چاہیئے تھی۔ بیشک جیسے کہ ہر ایک فعل اپنے درجے سے تفریط اور افراط حاصل کر کے ضرر رساں ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اُسکا بھی حال ہے۔ مانا کہ تعظیم ہر صورت میں بہتر ہے لیکن اسکے خلاف عمل بدتر ہے جبکہ تعظیم اگر اپنے متوفیٰ والد کا نام تمام دن بیٹھا لئے جاوے۔ بیشک اس کے دیگر فرائض منصبی کو نقصان پہنچے گا۔ یا زید اگر اپنے باپ کی تصویر بنا کر اس تصویر کے پاؤں دبائے۔ یا اس تصویر کے منہ میں کھانا ڈالے۔ اس تصویر پر خوشبو ڈالنے وغیرہ وغیرہ تو عالمان کے خیال میں اس کے باپ کی روح کو وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کے باپ کی روح کا اور اس تصویر کا تعلق ہے لیکن ظاہراً بذریعہ علوم ماہران علوم نے معلوم کیا ہے کہ شیر کی تصویر قدرتی طور پر پھاڑ کھانے کی طاقت بالکل نہیں رکھتی جو کہ در اصل زندہ اور اصلی اور تندرست شیر میں ہوتی ہے۔ وہ محض فوٹو ہے جو کہ صرف دل بہلاؤ کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ شیر کی تصویر آگے گوشت ڈالنے سے دنیا کے کسی زندہ یا متوفی شیر کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ شاید ایسی حرکات کا خیال کر کے بعض ریفارمروں نے بت پرستی کو فضول بتلانے کے علاوہ فعل حرام تک ٹھیرایا ہے۔ لیکن بت پرستی سے بالضرور ایک خفیف سا فائدہ یہ حاصل ہو سکتا ہے کہ جو ہندوستان کا نقشہ دیکھنے والے لڑکے کو معلوم ہو جاوے کہ ہندوستان میں آنے جانے کا راستہ۔ دریا۔ پہاڑ وغیرہ اس جگہ ہیں مورتی پوجک اس سوال کو بہت معقول خیال کرتا ہے۔ کہ چونکہ بغیر کسی تصویر کے تصور جمنا مشکل ہے۔ اور پرماتما کی کوئی تصویر نہیں ہے۔ تو پھر ہم عبادت کرتے وقت کس چیز کا تصور دل میں جماویں۔ لیکن بہتر ہوتا کہ وہ اس بیان کو اس طرح ادا نہ کرتا۔ کیونکہ وہ خود ہی مانتا ہے کہ پرماتما کی کوئی تصویر نہیں ہے تو وہ کس شے کی تصویر بنا کر اُس کا تصور قائم کریگا۔ اس کے جواب میں وہ ایک حجت پیش کرتا ہے کہ پرماتما خداوند کریم جب ایک موقع کو پورا کرنے کے لئے انسانی وجود میں آئے۔ تب ہم نے اس کا فوٹو کیا اور سمجھا کہ خداوند کریم کی یہی تصویر ہے۔

لیکن اگر یہ خیال اُسکا محض اس وقت سے پیدا ہوا کہ جب سے اس کے خیال کے مطابق خداوند کریم کا کسی قسم کے جسم میں ظہور ہوا۔ تو اس جسم کے فنا ہونے تک اس خیال کی پیروی لازم تھی۔ کیونکہ بالفرض اگر خداوند کریم پرماتما نے موقع پورا کرنے کے بعد اس کو فنا کر دیا تو یہ ہرگز قرار نہ پا سکے گا۔ کہ خداوند کا جسم بھیڑیا ہے۔ یا پرماتما بھیڑیے کی شکل میں ہے کیونکہ اسی کے خیال کے مطابق وہ عارضی حالت تھی۔

دوسرا خیال کہ ایشور خداوند کریم ہر جگہ موجود ہے۔ تو کیا مورتی میں موجود نہیں ہے بیشک عالمان نے اُسکا وجود ذرہ ذرہ میں مانا ہے۔ لیکن اس صورت وہ صرف مورتی کے ذرات میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ جن ذرات سے پجاری مرکب ہے ان ذرات اور تمام اور چاروں طرف کے دیگر سامان کے ذرات میں بھی موجود ہے۔ اور جانور کے تمام جسم کے ذرات میں وہ موجود ہے تو قصاب کے جسمانی ذرات میں بھی موجود ہے اور جانور کے تمام جسم کے ذرات میں وہ موجود ہے

تو قصاب کے جسمانی ذرات میں بھی موجود ہے۔ اور چھری کے ذرات میں بھی اسی شکل میں موجود ہے۔ پھر یہاں پر کسی فعل کے کرنے یا کرانے یا جائز ناجائز ضروری غیر ضروری کی تمیز نہ رہنی چاہیئے۔ لیکن چونکہ مورتی پجاری ان خیالات کا پابند نہیں ہے اس لئے اس راستہ میں اس کا یہ جواب بالکل ناکافی ہے۔

تیسرا خیال کہ مورتی پوجا عبادت الٰہی کی ایک قسم کی مشق ہے۔ لیکن مشق اس فعل سے ہونی چاہیئے کہ جو اسکے معراج پر مبنی ہو۔ ایک شخص چارپائی بننے کی مشق کر کے فن ڈاکٹری حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر مشق اس فعل سے تعلق نہ رکھتی ہو کہ جس کی منزل پر شائق کا پہنچنے کا ارادہ ہے تو وہ مشق اس فعل کے تعلق سے قطعی مانع نہ ہوگی نہ اُسکا سوائے تضیع اوقات کے کوئی اثر ہوگا نہ اُس فن میں کچھ لیاقت پیدا ہوگی۔

چوتھا خیال کہ ہم کو مذہبی اطوار کے مطابق رسم و رواج کو انجام دیتے وقت مورتی پوجا کرنا ضروری ہے۔ بیشک یہ خیال معقول ہے لیکن اگر کسی قابل انسان کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں فعل صرف مذہبی احکام کو عمل میں لانیکے لئے کیا جانا ضروری ہے درحصل اسکی کچھ اصل نہیں ہے۔ تو اسکو مناسب ہے کہ وہ اسکو اپنے خیال میں اسی درجہ تک جگہ دیں کہ جس درجہ تک اُسے سمجھے ہوئے ہیں۔

پس ہم کو یہ ضروری ہے کہ ریفارمروں پیغمبروں بزرگوں رشیوں وغیرہ کی عزت کو اپنے دل میں جگہ دیں۔ اُن کی گزشتہ زندگی کی عزت کریں اُنکی لائف یعنی سوانح عمری پڑھیں پڑھاویں اور اس سے سبق حاصل کریں۔ اُن کی تصویر کو دیکھنے کے لئے اپنے مکان میں رکھیں۔ لیکن صرف کسی اوتار یا پیغمبر یا بزرگ کی تصویر کو خدا ماننا یا خدا و مذہب پرم آتما ماننا بیشک خدا کی لا انتہا طاقت کے ماننے سے محروم ہونا ہے کیونکہ ہمارے خیال کے مطابق ہر ایک جسم کی وفات کے بعد روح ایک ایسی جگہ چلی جاتی ہے جسکی بابت مشرح بیان ہونا بہت مشکل ہے اور جسم جو کہ اربعہ عنصری سے بنا ہوا ہوتا ہے اس کی تکمیل میں فرق آجانے سے اس کے جز اربعہ عناصر میں ملجاتے ہیں۔

فصل ششم

خیرات

خیرات ایک انتظامیہ فعل ہے جو کہ صرف انسانی خیالات سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً یہ بات کانشنس خود ہی پیدا کرتی ہے کہ انسانوں کی زندگی میں جیسے کہ اور انتظام ضروری ہیں ایسے ہی خیرات بھی انتظام کا ایک جز ہے۔ بلکہ یہ جز انصاف سے بھی تعلق رکھتا ہے جیسے کہ منتظم آدمی ایک جگہ میں اپنے حُسن انتظام میں ضروری اور غیر ضروری امورات کا لحاظ رکھکر انتظام کو انجام دیا کرتا ہے۔ ویسا ہی یہ فعل بھی انسانی فعل ہے۔ بیشک اس کے عالمگیر اصولوں کے خلاف چلکر اس بارہ میں ایک نہایت بدانتظامی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً روٹی سے سیر ہوئے ہوئے کو بھوجن۔ پانی سے سیر ہوئے ہوئے کو پانی دولتمند کو روپیہ پیسہ۔ تندرست کو دوائی۔ مقام ضروری میں حتی المقدور اشیا ضروری کا بہم نہ کرنا مقام غیر ضروری میں اشیا غیر ضروری کا بہم پہنچانا وغیرہ ان سب افعال کے پورا کرنے سے ایسی بدانتظامی وقوع میں آتی ہے کہ جسکی بیخکنی از حد مشکل ہو جاتی ہے آج کل خیرات کا بہت سا حصہ محض برباد ہی نہیں جاتا بلکہ خلائق میں نقص ڈالتا ہے۔ وہ لوگ جو متبرک مقامات پر خوب عیش و عشرت اور نقصان دہ فعل کرتے ہیں اور ان شخصوں کے بھروسہ کر جو لوگ ان کو روپیہ یا دیگر سامان بہم پہنچاتے ہیں صرف ایسے کاہل مزاج اور سست اور بد افعال ہی نہیں بن جاتے

بلکہ نہایت بد تہذیب اور نالائق اور فضول گو اور عیاش اور قمار باز اور طرح طرح کے خرابات میں مشغول رہتے ہیں۔

خیرات کرنے والوں کا یہ خیال کہ ہم تو انکو اپنی طرف سے خیرات کر دیتے ہیں۔ خواہ یہ کچھ ہی کریں بالکل پوچ اور ردی سے ردی ہے۔ بلکہ ایک ایسا فعل ایک سمجھدار انسان کو بالکل فضول معلوم دیتا ہے کہ اپنے بچے کو انسان کھانے پینے اور رہائش کے لئے روپیہ دے۔ لیکن اگر وہی بچہ اس روپیہ کو سُلفے بازی میں اُڑانے لگے تو باپ کی طبیعت پر کیسا ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ جس مطلب کو پورا کرنے کے لیئے انسان اپنی کمائی کا بڑا حصہ خرچ کرتا ہے اگر بادی النظر میں وہاں پر اس کے خیالات کے خلاف عمل ہوتا ہو تو ایسے موقع پر دانستہ چشم پوشی کر اپنی ہی نظر میں اپنی طاقت روحانی کو بیکار بنانا نہیں ہے بلکہ سوائے عارضی ناموری حاصل کرنے کے دیگر پبلک پر بہت مضر اثر پیدا کرتا ہے

مسئلہ خیرات میں بہت سا حصہ تو مذہبی اطوار کو پورا کرنے میں دیا جاتا ہے۔ لیکن افسوس کوئی مذہبی اصول اس بات پر مبنی نہیں ہے کہ دان دینے وقت ضروری اور غیر ضروری جائز اور ناجائز کا لحاظ نہ رکھا جاوے۔

"میرا خیال کہ ایسے موقع پر خیرات کرنے سے نجات یا موکچھ حاصل ہوتی ہے کسی معقول دلیل کو لئے ہوئے نہیں ہے۔ اگر واعظان مذہبی کا یہ منشا ر نہ تھا کہ عوام کو غلط سبز باغ دکھلا کر اپنی اولاد کے لیئے اُس کے انبار چھوڑ دیے جاویں تو شاید یہ منشا بھی نہ تھا کہ سب اقوام کے ساتھ انصاف سے کام لیا جاوے۔ جیسے کہ ایک طبیب اپنی دوائی کی تعریف مبالغہ بیان کرتا ہے۔ اور اسکی قیمت وصول کرنا اسکو مدنظر ہے۔ خواہ عوام کو فائدہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح انکی حالت نظر آتی ہے۔ ورنہ ایسے موقع پر مناسب ہے کہ اپنے روپیہ کو خیرات کرنے سے دو چار گھنٹے پیشتر سوچ کر خیرات کرے۔ ورنہ سوائے عارضی طور پر واہ واہ کرا کر سوائے عارضی طور پر نامداری حاصل کرنے کی بجائے اس کے کہ وہ دن بدن سُست اور کاہل بنتے چلے جاویں۔ اور اپنی اولاد کے حق میں اون کی اولاد مضر ہو۔ کوئی فائدہ صورت نہیں ہے +۔

خیرات کے موقعے ہزار ہا ہیں۔ وہ بھوکا جو اپنی محنت سے اپنی گزران نہیں کر سکتا ہے اگر کوئی خاص دیگر وجہ مانع نہ ہو تو اُس کے لئے مناسب اشیار قابل خیرات ہیں۔ وہ ننگا جو اپنی محنت سے کپڑے نہ مہیا کر سکتا ہو وہ بیمار جسکا کوئی خبر گیراں نہ ہو۔ وہ معصوم بچہ جو کہ بغیر والدین مارا مارا پھرتا ہو۔ وہ بیوہ جو بغیر اپنے خاوند کے ہماری مہذب اور رحمدل قوم کی چھری کے نیچے تڑپ تڑپ کر برسوں میں اپنی جان دیوے گی۔ وہ ودیا ارتھی یعنے طالبعلم لڑکا کہ جسکے والدین بوجہ مفلسی اس کو کتاب تک اور مدرسہ کی فیس تک نہیں دے سکتے۔ وہ مجرم کہ جو بیگناہ پھنس گئے اور بوجہ مفلسی اخراجات مقدمہ مہیا نہیں کر سکتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اے ملک تجھ میں کبھی کثرت کے ساتھ ایسے انسان بھی ہوں گے جو اپنا آرام تیاگ کر اپنا عیش دور کر کے اپنی عارضی بڑائی کو لات مار کر سچے رحم کا جھنڈا اٹھا کر ان غریب یتیم لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر انکی مدد کریں گے کہ جو وکھ کے کونے میں پڑے ہوئے ڈاڑھیں مار مار کر رو رہے ہیں۔ جب رونے کی طاقت نہ رہی سسک رہے ہیں اور سسک کر وہیں مر گئے ہیں۔ اور باقی مرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کسی نے نہ پوچھا کہ کون تھا اے ملک کیا اب ان لائق منشوں کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ جو اپنی کمائی کا بڑا حصہ بطور سچے دان دیویں اے ملک اس آزاد زمانے میں تجھ میں وہ منش بھی پیدا ہونگے کہ جنکا جان و مال و جسم اسی ملک کے اپاہج لولے لنگڑے غریب لوگوں کے حصہ میں آوے۔ بیشک علمی روشنی سے کافی امید ہو سکتی ہے کہ قابل سے قابل انسان کے اندر کبھی نہ کبھی یہ بھاؤ ضرور پیدا ہو گا کہ وہ اپنی کمائی یا روپیہ کو خیرات کرتے وقت علم کے عالمگیر اصولوں کا خیال رکھکر حق پہلا

کی حق تلفی نہ کرے جوکہ اس کے لئے سچا بہشت ہے اور فرضی اور عارضی ناموری کو لات لگائے جوکہ جھوٹے ملمع کیطرح چندروز بعد بالکل سیاہ اور بیکار ہوجانے والی ہے۔

فصل ہفتم

مذہب

ان اوراق کے مصنف سے بارہا یہ سوال کیا گیا کہ آپ ہندو ہیں یا مسلمان یا عیسائی یا نصاری یا یہودی یا سکھ غرضیکہ کون ہیں۔ میں ان کے اس استفسار کا جواب مفصل اور صاف طور پر دینا چاہتا ہوں۔

دنیا میں بہت ایسے آدمی ہیں کہ سوائے اُن دو جماعتوں کے اوّل جوکہ انسانی فطرت کے الہام کو الہام سمجھتی ہے۔ دوسرے جوکہ اپنے خیالات کو کسی خاص کتاب یا حکم کی تعمیل کرنے کو اپنا فرض منصبی یا دھرم خیال کئے ہوئے ہے

زید

خواہ کانشی کا پنڈت ہی خواہ مکہ کا مجاور ہے۔ خواہ گرجا کا چارج ہے۔ خواہ بڑی بڑی مالاو بڑے بڑے تلک لگا کر اور بڑی بڑی پشتکیں بغل میں دبا کر اپنے آپ کو نہایت اعلیٰ پنڈت ظاہر کرتا ہے۔ خواہ جواہرات بیچتا ہے۔ خواہ جھاڑو ٹوکرا لیکر اُسی روزی سے اپنی اوقات بسر کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اگر وہ زبردستی طور سے دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کا خیال نہیں رکھتا ہے۔ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا ہے۔ دُنیا کے سب لوگوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہے۔ ناحق کسی پر بے رحمی سے کسی طرح کا ظلم نہیں کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو ایک نہایت اعلیٰ سوسائٹی اور بڑے سے بڑے مذہب کا ایک اعلیٰ ڈیوٹی فل ممبر ہے۔

بکر

اگر بدنیتی سے دوسرے مذہب کے لوگوں کو بہسلا کر اور ان کو روپیہ کا لالچ دیکر یا کسی دیگر طور سے جھوٹی ترغیب دیکر اور باتوں کا جعل پھیلا کر دنیا میں بدامنی کا تخم بوتا ہوا فروعات پر جھوٹی بحث کرتا ہے۔ خواہ وہ گوڑ برہمن ہو یا خالص سید ہو۔ یا پادری ہو نہایت نیچ سے نیچ سوسائٹی کا ممبر کہلانے کے لائق ہے۔

ہمارے خیال میں مذہب ریفارمروں کا مقررہ راستہ ہے۔ جوکہ منزل مقصود پر پہنچانے کا ذریعہ کہلاتا ہے۔ لیکن چونکہ مختلف مذاہب نے منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے راستے ایجاد کئے ہوئے ہیں (خواہ اصولاً۔ یا فروعاتاً) اس لئے ہر ایک آدمی کو اپنے مذہب کے اُصول اور فروعات پر چلنا پڑتا ہے۔ لیکن جیسے کہ ایک آدمی راستہ چلتے چلتے جھاڑیوں میں پھنسکر رہ جاتا ہے اسیطرح مذہبی ممبر فروعات کی جھاڑیوں میں پھنسکر منزل مقصود پر پہنچنا تو درکنار وہیں کا وہیں رہکر نہ پیچھے لوٹ سکتا ہے اور نہ آگے کا رہتا ہے یہ فروعات۔ مثلاً ہندو اور مسلمان کی سالہا سال سے اس امر پر بحث ہو رہی ہے ایک کہتا ہے چوٹی رکھنی ضروری ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے غیر ضروری ہے۔ اس بحث پر بڑی آسمانی اور الہامی کتابیں پیش کیجاتی ہیں۔ بڑے بڑے عالمان بلوائے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے مدلل ثبوت دئے جاتے ہیں اور بہت سی مغز زنی کیجاتی ہے لیکن قسمت کی خوبی سے اس کا آج تک قطعی فیصلہ نہ ہوا۔ نہ ہندوؤں کی چوٹی اُڑی اور نہ مسلمانوں نے

اُس کو سر پر رکھا وغیرہ- یہ فروعات ہے- اور در اصل یہی فروعات کسی مذہبی معراج حاصل کرنے کا مانع ہے- اِسی فروعات کی وجہ سے ایک مذہب کا آدمی دوسرے مذہب کے لوگوں کو نہایت ہی نفرت سے دیکھتا ہے- اور مل جُھکر کھانا پینا تو درکنار چھونے تک سے پرہیز کرتا ہے اور ایسا کرنے سے انسان ایسا متعصب ہو جاتا ہے کہ کل دُنیا کے لوگ اُس کو اُسکی نظروں میں حقیر نظر آنے لگتے ہیں اور اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھتا ہے- بلکہ دیگر لوگوں کو اپنے خیالات میں شامل کرنے کے لئے انصاف سے بہت دور رہ کر ظلم پر کمر باندھ لیتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے جبر و ظلم سے دیگر لوگوں کے مذہب تبدیل کرا کر اپنے مذہب میں شامل کرتا ہے خواہ ایسا کرنا کسی مذہب کا اقتضا ہی نہ ہو- سقراط جیسے دانا کو اس فروعات نے زہر پلوایا حالانکہ اُس کا کچھ قصور نہ تھا- منصور جیسے کامل فقیر- بابا نانک- شنکر چاریہ- دیانند سرسوتی- گورو گوبند سنگھ- پیغمبر علیہ السلام وغیرہ جن کی زندگی بالکل نیک تھی اُنکو اِن فروعات نے ہی طرح طرح کی تکلیف میں مُبتلا کرایا- بلکہ جانیں تک لے لیں- اس فروعات کی بدولت آج ہمارے ملک میں اسقدر نفاق پڑا ہوا ہے کہ آدمی کو دیکھکر آدمی جلتا ہے- یہ فروعات ہی ہے کہ ہندوستان کے بیس پچیس آدمی اکھٹے ہو کر کہیں جائیں- یا ملکر کچھ کام کریں سب کی فروعات علیحدہ خیالات علیحدہ- کھانا پینا پینا علیحدہ- حقہ پانی علیحدہ- گویا ایسا معلوم دیتا ہے کہ قدرتی نفاق ہے- بیشک یہ فروعات ہر ایک مذہب کے مُوجدنے اپنی اپنی بات غالب رکھنے کے لئے بنائی ہے- جو کہ وہی خود غرضی کا پودا زہر پیدا کر کے اپنا اثر دکھلا رہا ہے- ورنہ قدرتی لحاظ سے تمام دُنیا کے لوگوں کا ایک ہی مذہب ہے-

بے شک ہم ایسا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے کہ سب مذاہب کے آدمی مل کر اور اکٹھے ہو کر ایک ہی برتن میں ہاتھ ڈال کر کھانا کھائیں- تا کہ ہماری برادری اور کنبہ کے لوگوں میں بدانتظامی پیدا ہو جاوے- اور نہ یہ کسی مذہب کا اُصول ہے- لیکن ہم کو مناسب ہے کہ اپنے مذہبی اطوار- یا طرائق کو پورا کرتے ہوئے یہ نہ سمجھیں کہ دیگر سب مذاہب والے ہم سے ہیچ ہیں- کیونکہ اگر علمی دلائل سے مذہبی فروعات پر بحث کیجاوے- تو سب مذاہب کے ساتھ یکساں بحث ہوگی اور سب کی طرف سے قریب قریب یکساں جواب حاصل ہوگا- پھر کیا ضروری ہے کہ تبدیل مذاہب کے خیالات پیدا کر کے دُنیا کی لعنت اپنے اوپر لیجاوے اور دُنیا کے حصہ کو اپنا دُشمن بنایا جاوے البتہ اگر کسی عالم و واقف انسان کے خیالات ایسے پختہ ہوں کہ اُس کو مذہبی موت کا کچھ غم نہ ہو تو اُس کو اپنے فعل کا ہر طرح اختیار ہے-

فصل ہشتم

آتما- بمراد رُوح انسانی

انسانی رُوح کے حدوث و قدیم ہونے کی بابت اگرچہ حکمائے سابقہ نے بہت کچھ تحقیقات کی ہے- لیکن بڑی بحث کے بعد اَب تک بھی اس مسئلہ کا رُخ اس طرح فیصلہ نہیں ہوا ہے کہ جس طرح پر ہونا چاہیئے تھا-

پہلا گروہ جو کہ اس کو قدیم مانتا ہے- بڑے زور سے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ فرض کرو ایک آدمی دولت مندکے ہاں میں پیدا ہوا اور طرح طرح کے سامان حاصل کرتے ہوئے نہایت خوشی اور خرمی سے زندگی بسر کی- دوسرا آدمی اُسی وقت ایک نہایت غریب آدمی کے یہاں پیدا ہوا اور بوجہ افلاس طرح طرح کی تکالیف اُٹھاتے ہوئے زندگی

کے دن پورے کئے۔ تو کیا وجہ ہے کہ وہ اول تو آرام کی جگہ پیدا ہوا اور زندگی بسر ہوتے ہوئے طرح طرح کی تکالیف اُٹھائیں۔ اور آرام اور تکلیف افلاس کی جگہ اوّل سے پیدا ہوا اور زندگی بسر ہوتے ہوئے طرح طرح کی تکالیف اُٹھائیں۔ تو پھر اُن دونوں نے سوائے بچپن کے کا اُٹھانا عالمان کے نزدیک افعال نیک اور افعال بد پر منحصر ہے۔ تو پھر اُن دونوں نے سوائے بچپن کے اور کس جگہ پر نیک یا بد کام کئے تھے کہ جن کی وجہ سے اُن کو ظاہر ہوتے ہی تکلیف و آرام ملا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جبکہ رُوح اُس حد تک جسم نہیں رکھتی ہے کہ جسکو پیدائش۔ موت۔ گھٹنا بڑھنا وغیرہ ہو سکے۔ تو اس صورت میں بھی رُوح کا پیدا ہونا اور مرنا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

دوسرا گروہ ان ہر دو دلائل کو قطع کرتا ہوا اپنا خیال ظاہر کرتا ہے۔ اول یہ کہ دنیا کی زندگی کا دار و مدار اسباب اور سامان پر ہے۔ جیسے سامان جس جگہ موجود ہوتے ہیں ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جگہ بتی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ ہوا کا جھونکا لگتے ہی گل ہو گیا۔ جو کہ اسباب سے پیدا ہوا تھا۔ اور اسباب میں رل گیا۔ ریلوے انجن سب سامان اور اسباب سے تیار ہو کر طاقت رفتار حاصل کرتا ہے اور اُس سامان کے اکھٹا ہونے کی ترکیب اور تکمیل میں فرق ہونے سے وہ رفتار بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ علی ہذا القیاس۔ جنگل کی سرزمین میں موسم برسات میں سڑاند اکٹھا ہونے سے سینکڑوں قسم کا جاندار مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دھوپ لگنے یا اُن کی زندگی کے خلاف ہوا چلنے سے فنا ہو جاتا ہے۔ اسیطرح انسانی زندگی کی حالت ہے۔ اور نہ معتقد کے پاس کوئی بدیہی ثبوت اس امر کا ہے کہ پیدا ہونے سے پیشتر وہ کہاں اور کس حالت میں کہاں پر تھا۔ اور کیا فعل کرتا تھا۔ کیونکہ رُوح قدیم ہوتی تو بالضرور اُس کی طاقت میں فرق نہ آتا۔ کیونکہ یاد رکھنا دیکھنا حاصل کرنا وغیرہ کل افعال کا محرک رُوح ہے پھر کیا ضرورت اس امر کی ہے کہ کسی کتاب کے ذریعہ سے اعتقاد دلایا جاوے۔ دوسری دلیل کے جواب میں یہ بات پیش ہوتی ہے کہ علم طب جس کا اس مسئلہ سے خاص تعلق ہے مُدلّل ثبوت اور شہادت دیتا ہے۔ کہ رُوح ایک قسم کے اخلاط کا ایک خاص ترتیب سے اجتماع ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اُس ترتیب میں فرق آنے سے اُس کے فعل میں فرق آجاتا ہے۔ رُوح صرف اُس طاقت کا نام ہے۔ کہ جو ان اسباب کے جمع ہونے سے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ رُوح کوئی دوسری شئے نہیں ہے۔

دراصل رُوح کوئی ایسی شئے نہیں ہے کہ جو بذات خود اپنی قدامت کو ظاہر کرتی ہو۔ ایک زندہ جانور یا انسان کو آگ کی ڈھیری میں ڈالتے ہی تھوڑی دیر میں تڑپ کر اُس کا جسم لکڑی کی مانند جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ بیہوش ہوتے ہی آدمی مٹی یا پتھر کی مثل ہو جاتا ہے۔ دِل کی رفتار بند ہونے سے تمام اعضا کی رفتار بند ہو جاتی ہے۔ خون کا دورہ بند ہونے سے تمام اعضا کی حرکت بند ہو جاتی ہے۔ اسی لئے عالمان نے مانا ہے کہ رُوح دراصل جسم کا جُز ہے۔ اور دیگر کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

فصل نہم
تعلیم

قدرتی علم قدرتی طور پر انسانی یا حیوانی بچہ کے اندر ہوتا ہے۔ گویا اعضاء میں قدرتی تحریک ہوتی ہے دو چار روز

کے پیدا شدہ بچہ میں ہنسنا رونا دودھ پینا وغیرہ سب طاقتیں قدرتی پیدا ہوتی ہیں۔ جوں جوں اعضا بڑے اور طاقتور ہوتے جاتے ہیں۔ تیوں تیوں سب طاقتیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ اگرچہ قدرتاً انسان یا دیگر حیوان کو کسی مزید تعلیم کی ضرورت نہیں ہے لیکن بوجہ زیادتی مادہ فہم و ادراک جوں جوں انسان کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں۔ تیوں تیوں مختلف وسائل سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے حصول اسباب میں سعی کرتا ہے جس میں سے ایک ذریعہ تعلیم ہے۔ اگرچہ تعلیم کا اثر انسانی جسم کے بہت بڑے جز کو بہت جلد ناکارہ کر دیتا ہے دماغ کو کمزور کر دیتا ہے۔ خیالات میں انتشار بڑھ جاتا ہے۔ ضروریات کا میدان بہت وسیع ہو جاتا ہی۔ حسد کینہ۔ بغض۔ ترقی کر جاتے ہیں۔ دیگر انسان کو دیکھ کر اسی کی طرح تکلف بڑھانا چاہتا ہے۔ لیکن جب تک ان ضروریات کو سمجھنے اور سوچنے کا مادہ پیدا نہ ہو کر ان ضروریات کو غیر ضروری نہ سمجھ لیا جاوے تب تک ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حصول علم ضروری ہے۔ لیکن اپنی پیدا کردہ ضروریات کو اپنی ہی کانشنس سے قطع کرنا چھوٹا موٹا کام نہیں ہے۔ بلکہ ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔

یہ صرف اُن ہی اشخاص کو حاصل ہوا ہے۔ جو کہ رشی مہرشی پیغمبر۔ اولیا۔ اوتار کہلائے۔ ورنہ دوسری قسم کے انسان کو مجال کیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات کو اپنے مطیع رکھ سکے بلکہ عموماً طور پر ضروریات کا مطیع ہونا پڑتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان اسی دُھن میں ہے کہ جہاں تک ہو سکے میری دنیاوی حالت دیگران سے اعلےٰ ہو۔ اگرچہ دیگران سے اعلیٰ بننا اُس کے امکان میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جہاں تک اعلیٰ جبکہ اُس سے آگے تک اُس سے اعلیٰ دیگران موجود ہیں۔ لسلئے اس ارادہ کا پورا ہونا اُس کے امکان میں نہیں ہی۔ وہ اعلیٰ رتبہ اُنہیں اشخاص کو حاصل ہوا ہے۔ کہ جو دنیاوی تعلقات سے نافر ہو کر تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ ورنہ معمولی انسان کی مجال نہیں ہے کہ وہ دُنیا کے مزے تو ہوا آزاد زندگی حاصل کرے۔ کیونکہ ہر وقت اعلیٰ بننے کا خیال اور سبق ہی انسان کے خیالات کو ادنیٰ کر دیتا ہے اور اسباب دنیاوی کو اس حد تک حاصل کرتا ہے کہ وہ خود ہی اونے سے ادنے خیالات کا ہو جاتا ہے۔ جوں جوں علم و اسباب حاصل ہوتا جاتا ہے۔ غرور۔ گھمنڈ مکر۔ فریب۔ دھوکا۔ بناوٹ۔ تکلیف وغیرہ چاروں طرف سے گھیر اڈال دیتے ہیں۔ اور کوئی رہبر ایسا نہیں ملتا کہ جو راستہ دکھلاوے۔ چاروں طرف چالاکی سے گھر جاتا ہے۔ اگرچہ یہ سب خیالات علم کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن بغیر علم حاصل کئے دُنیاوی زندگی میں نہایت مشکل واقع ہوتی ہے۔ اس لئے جب تک اسقدر استقلال نہ ہو کہ میرا وجود دُنیا میں کسی طرح سے مقید ہونے کے لئے نہیں آیا ہے بلکہ میری زندگی پوری کرنیکے لئے میری قدرتی آزادی میرے ساتھ ہے۔ تب تک بالضرور کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔

چوری کرنا۔ ٹھگی کرنا۔ جوا کھیلنا وغیرہ بھی ایک قسم کی تعلیم ہے۔ اور بغیر تعلیم کے ان افعال سے کماحقہ طور پر انسان ماہر نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ افعال واعظان قانون کے پسند نہیں ہیں۔ اسلیئے انھوں نے ان افعال کو بوجہ ہو جانے بدانتظامی بُرا سمجھ کر قانوناً ناجائز قرار دیا ہے۔ اور ان کے کرنے والوں کو طرح طرح سے تکالیف پہنچانا مناسب سمجھا ہے اسلیئے قانون رائج الوقت کا خیال رکھکر وجہ معاش کے لئے بالضرور کوئی تعلیم حاصل کرے اگر اسباب تعلیم نہ ہوں تو ہم اس کا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اسباب کا کام تو اسباب سے ہی انجام پاتا ہے۔ اور اسباب جو موجود نہ ہو اور نہ ہو سکتا ہو تو پھر اس بات کا کیا جواب ہو سکتا ہی سوائے اس کے کہ جیسے اسباب موجود ہوں اُن کو کام میں لاوے ✣

ہمارے خیال میں آج کل بروئے علم طب بارہ سال کی عمر سے بتدریج سلسلہ تعلیم جاری ہونا چاہیئے۔ کیونکہ بارہ سال تک دماغ کے پُرزے اس قسم کے پختہ نہیں ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی بات پہنچا کر اُن کے سپرد کر دی جائے اگر جبراً ایسا کیا جاوے بالضرور نقصان دہ ہوگا۔ پس بارہ سال سے تعلیم کا سلسلہ اس طور پر شروع ہونا چاہیئے کہ اوقات حصول تعلیم میں انسان کو کچھ ضعف معلوم نہ ہو۔ اور اس کے حصول میں اُسپر جبر واجب سے زیادہ نہ کیا جاوے پچیس سال تک تعلیم حاصل ہونی چاہیئے۔ اس سے کم عرصہ تک تعلیم دینا بالضرور انسانی جسم کے لئے مفید ہوگا۔ اور اس سے زیادہ عرصہ تک تعلیم دینا بالضرور بڑھاپے میں سخت مضر ہوگا۔ ہمارے خیال میں اگر انسان بارہ سال تک کسی قابل مدرس کے پاس تعلیم پاوے بالضرور ایک علم میں خاص اور باقی تھوڑے تھوڑے سب علوم میں ملکہ حاصل کرے گا اور ایک نہایت قابل تعلیم یافتہ آدمی کہلاویگا۔ جو کہ تعلیم اُس کی تمام عمر کے لئے کافی ہوگی +

فصل دہم

دولت

کچھ شک نہیں کہ دُنیاوی ضروریات کو پُورا کرنے کے لئے دولت سے زیادہ کوئی شئے نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اس کے حصول کے لئے ڈاکہ۔ قتل۔ خون۔ چوری۔ رہزنی۔ رشوت۔ تہم۔ جھوٹ طوفان کئے جاتے ہیں اور ہمارے خیال میں ذریعہ مذکورہ بالا ہی سے دولت زیادہ مقدار میں حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ دولت ہمیشہ زبردست کے قبضہ میں رہتی ہے۔ بغیر دولت کے غریب آدمی دولت مندوں کی رہائش کی طرف دیکھ کر اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور سوچتا ہے کہ افسوس اگر میرے پاس دولت ہوتی تو میں بھی اسی طرح زندگی بسر کرتا لیکن مجبور ہو کر اس خیال کو وہ اپنے دِل ہی دل میں جذب کر لیتا ہے دولت خواہ کسی ذریعہ سے انسان کے ہاتھ لگ جاوے اُسکی عزت کو بڑھا دیتی ہے۔ عیب اور دیگر قسم کے مشتبہ ناجائز افعال کو چھپانے کے لئے گہری اور موٹی چادر کا کام دیتی ہے۔ دولت مند عیبی کو یہی دولت شوقین کہلواتی ہے۔ غریب عیبی کو بوجہ نہ ہونے دولت کے لوگ بدمعاش کہتے ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ دولت کا کم زیادہ ہونا قسمت پر منحصر ہے اور عالمان کا خیال ہے کہ اسباب سے تعلق ہے۔ لیکن خیر کچھ ہی ہو دولت بڑی جد وجہد سے ہاتھ آتی ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لئے انسان اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر بھی اسکو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے لڑائی کے میدان میں جبکہ سامنے سے گولی چل رہی ہے اور جانتا ہے کہ میری صف کے بہت سے آدمی سامنے سے گولی لگ کر مر چکے ہیں جنکی لاشیں میرے سامنے پڑی ہوئی ہیں۔ لیکن پھر بھی برابر لڑے جاتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب خطرناک افعال دولت کے حاصل کرنیکے لئے کئے جاتے ہیں۔ لڑکا چھ برس کی عمر سے تعلیم حاصل کرنے لگا ہے اُس کا دماغ کمزور ہوگیا۔ بینائی میں فرق آگیا۔ لیکن رات دن برابر تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہے۔ چہرہ کا رنگ زرد ہو رہا ہے۔ کھانے پینے آرام کرنے آزاد رہنے کی کچھ پرواہ نہیں یہ سب تکالیف کیوں برداشت کیجاتی ہیں روپیہ کے لئے۔ کیونکہ روپیہ ہی سب چیزوں کے حاصل کرنیکا ذریعہ ہے۔ یہ روپیہ بعض وقت علم اور عقل تک کو خرید لیتا ہے۔ آقا بیوقوف یا کم عقل کے پاس روپیہ ہے لیکن ملازم عقلمند ہے۔ آقا بے علم کے حضور میں عالم شخص ملازم ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غرضیکہ دُنیاوی ضروریات پوری کرنے

کے لئے سب معاملات کا روپیہ پر دارومدار ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا میں ایسا آدمی کوئی نہ دیکھنے میں آیا ہوگا۔ کہ جس کے خیالات کسی نہ کسی پہلو سے کسی نہ کسی طریقہ سے روپیہ کی حصول ابزادی میں مانع ہوں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض طبائع تو حق ناحق جائز و ناجائز کی کانشنس کے مطابق تمیز نہیں رکھتی اور بعض رکھتی ہیں۔ زید کی خوش قسمتی سے زید کو ایسی کسی قسم کی نیک صحبت حاصل ہونے سے یہ سبق مل سکتا ہے۔ کہ زید چوری کرنا۔ جھوٹ بولنا۔ ٹھگی۔ رہزنی۔ بیرحمی۔ دھوکا بازی سے روپیہ حاصل نہ کرنا چاہیئے اور جسقدر اُس کو اپنے طریقہ لین دین خرید فروخت یا آمدنی پیداوار زمین یا دیگر آمدنی از قسم مذکورہ بالا سے حاصل ہو۔ نیک نیتی سے اُس کو ترقی دے۔ اور بکر کی بدقسمتی سے بکر کو ایسی بدصحبت حاصل ہونے سے اُس کی طبیعت کو چوری جھوٹھ۔ ڈکیتی وغیرہ سے روپیہ حاصل ہونے کی ترغیب دے جو کہ خلقت کے حق میں ضرررساں اور فرق ڈالنے امن وانتظام دنیاوی وشاہی کے ہیں۔

انسان جسوقت یہ سوچتا ہے کہ جسقدر روپیہ مجھ کو میری نیک نیتی سے محنت کرنے پر حاصل ہوتا ہے اور وہ بہت ہی کم تعداد میں ہے کہ جسقدر مجھ کو اُس کی معمولی طور پر ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ضرورت تھی۔ ادھر تو ضروریات اُس کو اس امر پر مجبور کرتی ہیں کہ وہ حالت موجودہ آمدنی سے زیادہ روپیہ حاصل کرکے اُن ضروریات کو پورا کرے۔ اُدھر اُس کی کانشنس اُسکو منع کرتی ہے کہ چوری۔ جھوٹ۔ دغابازی۔ فریب یا کسی دیگر قسم کی بددیانتی سے روپیہ حاصل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ تو ایسے موقع پر اگر افسوس کہ بڑے بڑے ثابت قدموں کے قدم لالچ کی طرف پھسل جاتے ہیں۔ کہ جو اپنے آپ کو بہت کچھ پایہ کے آدمی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں ثابت قدم رہنا اُنہی کامل فقیروں اور مہاتماؤں کا کام ہے کہ جو لوگ رشی۔ مہرشی۔ اوتار پیغمبر۔ اولیا۔ نبی کہلائے ہیں۔

بیشک دولت کی طرف سے فارغ ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ اور نہ معمولی فہم کے آدمی سے قناعت ہوسکتی ہے۔ البتہ غریب آدمی کو ڈھارس بندھانے کے لئے قسمت کا مسئلہ کچھ کام دیدیتا ہے۔ گویا ایک خفیف سا صبر پیدا کردیتا ہے۔ لیکن ضروریات کے پورا کرنے میں بالکل مانع ہے۔ ہاں غریب آدمی کو چاہیئے کہ وہ کسی وقت اس امر پر خیال کرکے بغور وخوض کام لے کہ جو انسان دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ مفلس ہیں۔ جن کو ایک وقت روٹی ملجاتی ہے۔ دوسرے وقت کی اُمید نہیں۔ بعض ایسے ہیں کہ ایک وقت بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی جاڑا سخت پڑ رہا ہے لیکن بغیر کپڑے کے بغیر مکان کے ٹھٹھر ٹھٹھر کر نہایت تکلیف پا رہے ہیں۔ بدن میں بیماری ہے۔ کھانے کو روٹی نہیں ہے۔ پہننے کو کپڑا نہیں ہے۔ دوائی حاصل ہونا تو درکنار کوئی خبر گیراں بھی نہیں ہے۔ نہ کہیں گھر ہے نہ در ہے۔ وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے انسانوں کی حالت کو دیکھکر انسان اپنے دل میں خوش ہوکر شکر ہے خداوند پرماتما رب العالمین کا کہ میری حالت تو ان سے ہزار درجہ اچھی ہے۔ اور کسی امیرزادہ کے سامان کو دیکھکر یہ خیال دل میں لاتا کہ میری حالت ایسی ہو تو دنیا میں میری زندگی ہے۔ انسان کی حالت کو بہت پراگندہ کردیتا ہے اور وہ اپنے لئے ایسے نقصان دہ فعل کرتا ہے کہ جو اُس کو مناسب نہیں ہیں۔

یاد رہے کہ چار باتیں اگر معمولی طور پر انسان کو میسر ہوجاویں تو اُس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ میری زندگی اچھی رفتار سے چل رہی ہے۔ ایک پیٹ بھر کر کھانا۔ دوسرے کپڑہ ومکان۔ تیسرے صحت یعنی تندرستی۔

جو کہتے اپنے ہمجنسوں میں عزّت - اور اگر ان چاروں میں کمی ہو تو امر مجبوری ہے - اس کا کچھ چارہ نہیں - بادشاہوں اور عالموں اور زبردستوں کے جو بے تعداد دولت ہاتھ لگتی ہے وہ بہت بڑی طاقت کا کام ہے [illegible] طرح سب کے ہاتھ نہیں لگ سکتی -

بیشک بعض اوقات احمق کو جنگل سے خزانہ مل جاتا ہے - لیکن یہ مثال حصول دولت کے بارہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتی - اور نہ اصولاً یہ مثال قائم ہو سکتی ہے - اس لئے ایک عالم آدمی خود ہی اپنی آمدنی اور خرچ کا حساب اپنی ضروریات کے اندر کر لیتا ہے اور اُس سے زیادہ ضروریات کو خود ہی اپنی مرضی سے قطع کر دیتا ہے - جو کہ ہر طرح اُس کے حق میں باعث امن ہے -

فصل یازدہم

عشق

حکمائے قدیم و جدید نے عشق کو ایک قسم کا مرض قرار دیا ہے - اور واقعی دماغی قوت کو کمزور کرنے میں اس کا حملہ دیگر امراض کے حملوں سے زیادہ موثر ہے - اگرچہ عشق بعض وقت جاندار کی طرف سے بے جان چیز پر بھی ہو جاتا ہے - کیونکہ بعض انسان کو بعض قسم کے زیور کھیل - مکان - کپڑا - برتن وغیرہ سے ایسا عشق ہو جاتا ہے کہ وہ اُس کو بوجہ اُس کی طبیعت کے موافق خوبصورت ہونے سے اُس کی جُدائی گوارا نہیں کر سکتا - لیکن زیادہ تر اکثر جاندار کو جاندار سے ہوتا ہے - لیکن نہ تو یہ بہت عرصہ تک رہتا ہے اور نہ اس کا امتنا رہوتا ہے البتہ انسان تو بہت سے اس مرض میں گرفتار ہو جاتے ہیں - بلکہ کوئی انسان ایسا ہوگا کہ جس کو سامان عشق سے تعلق نہ رہا ہو - دراصل عشق کی بنیاد خوبصورتی ہے - اگرچہ عشق کے نزدیک وہی صورت خوبصورت ہو کہ جس صورت پر اُس کی طبیعت جم گئی ہو - خواہ دیگراں کے نزدیک وہ صورت خوبصورت ہو یا نہ ہو - لیکن تاہم خوبصورتی ایک ایسی شے ہو کہ جس کے لئے عموماً طور پر خوبصورتی کا اظہار ہوتا ہے - عاشق ہونے سے پیشتر عاشق مطلق نہیں جانتا کہ میں کس کے دام عشق میں پھنس جاؤنگا - اور مجھ کو طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑیگا لیکن دام عشق میں وہی شخص پھنستا ہے کہ جو خوبصورتی کی بہت قدر و منزلت کو اپنے دل میں جگہ دیکر کسی نہ کسی خوبصورت معشوق یا معشوقہ سے ہنسنا بیٹھنا محبت کرنا - کھانا پینا - کھیلنا اور کسی نہ کسی طریقہ سے وصل کرنا چاہتا ہے - اور اُس کے حاصل ہونے پر اپنے آپکو نہایت مسرور پاتا ہے - اور طرح طرح سے دل کی اُمنگ نکالنا چاہتا ہے - اس میں کچھ شک نہیں کہ دیگر مرض کی طرح اس کا جوش اور دورہ اوّل ابتدائی حالت میں بہت ہی زیادہ ہوتا ہے - اگر معشوقہ یا معشوق بہت تجسس اور کوشش اور بمشکل تمام دستیاب ہو تو اس کا جوش اور بھی بڑھتا جاتا ہے اور اگر معشوقہ فی الفور دستیاب ہو جاوے اور ضرورت سے بھی زیادہ اُس کا وصل بغیر کسی محنت کے دستیاب ہو اور معشوقہ یا معشوق کی طرف سے کچھ بھی کھچاوٹ نہ ہو تو بہت قلیل عرصہ بعد یہ جوش اتر جاتا ہے - سابقہ عالمان نے عشق کی دو قسمیں مقرر کی ہیں - ایک عشق مجازی - اور ایک عشق حقیقی - عشق مجازی سے مراد یہ ہے کہ کسی دنیاوی خوبصورت شے پر عاشق ہو کر حسب منشا اُس سے لُطف حاصل کرے - عشق حقیقی سے مراد یہ ہے کہ پر ماتما خداوند کریم سے بذریعہ طریقہ عبادت ایسا لو لگا لیوے کہ اُس کی یاد اور اُس کی تلاش میں فدا ہو جاوے - جیسے کہ منصور - بابا نانک

...پر وغیرہ غضب کرتے ہیں اور جو کہ صاحب کرامات تھے کیونکہ یہ یاد رہے کہ سچی عبادت کا اثر کوئی معمولی اثر نہیں ہے۔ ایک حاکم کی خدمت کرنے سے انسان میں ایسی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دنیا کے بہت سے کام سنوار سکتا ہے اور وہ تو مہان یعنی بہت ہی بڑی طاقت ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سچے دل سے اور کسی معقول طریقہ سے خدا کی عبادت کیجائے اور کچھ اثر نہ ہو۔

دراصل عشق کا حملہ پیشتر پیشتر تو انسان اپنے لئے بہت مفید سمجھتا ہے۔ لیکن جب کسی نشیلی چیز کی طرح یہ بیماری پیچھے لگ جاتی ہے تو کچھ مدت بعد اسکی تکالیف سے روحانی کمزوری حاصل کر کے انسان اپنے آپ کو میدان میں چاروں شانے چت پاتا ہے اور بہت پچھتاتا ہے۔ لیکن اگر اس بیماری نے اس کے دماغی یا دیگر جسمانی پرزے کمزور کر دئے ہوں تو پھر کچھ علاج نہیں ہو سکتا۔ بیشک بعض خوش قسمت آدمی بہت جلد ہی سدھر جاتے ہیں اور یہ بیماری اُنسے چھوٹ جاتی ہے لیکن تاہم جاتی ہوئی روح کے اندر ایک یادگار پیدا کر جاتی ہے۔ خود پیدا کردہ بیماریوں میں سے یہ ایک خاص بیماری ہے۔ امیروں اور آزاد آدمیوں کو زیادہ ہوتی ہے۔ بلکہ اس بیماری کے دور کرنے کے لئے اور انتظام قائم رکھنے کے لئے واعظان قانون نے طرفین کے لئے سزائیں تک مقرر کی ہیں۔ ورنہ بہت ابتری واقع ہوتی۔ عشق کے حملوں نے بڑے بڑے امیروں اور خاندانوں اور بادشاہوں تک کی سلطنتوں کو غارت کر ڈالا ہے۔ اس بیماری کی بیخ کنی کرنے کے لئے علم عبادت نہایت مفید ہے۔ اگر اتفاق سے یا بدقسمتی سے یہ بیماری لگ جاوے تو اپنے آپ کو نہایت سنبھل کر رکھے۔ معشوق کے ناز و انداز نزاکت و شوخی و بیوفائی کے پھندوں کو خیال کرتا رہے بہت سے آدمی ان پھندوں میں پھنس کر کل مال و جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور تمام عمر کے لئے دام تذویر میں پھنس گھل گھل کر اپنی جان دیتے ہیں۔ پس ہر وقت خبردار رہے معشوق خواہ کتنا ہی وفادار بنے۔ کتنی ہی ناز و ادا و چکنی چپڑی باتیں بنائے کتنا ہی بناؤ سنگار دکھلائے۔ لیکن ثابت قدم وہی شخص کہلانے کے لائق ہیں۔ کہ جو ان سب افعال کو معشوق کے پھندے کی نہایت مضبوط رسیاں سمجھ کر ان میں پھنسنے کی بجائے ان کو کاٹے اور ان کو توڑنے کی کوشش کرے اس طرح کہ نہ تو خود جال میں پھنسے اور نہ دیگراں کو پھنسنے دے۔ اور معشوق کی بات کا قسم کا اس کے افعال کا اس کے ناز کا انداز کا کبھی اعتبار نہ کرے۔ کیونکہ معشوق اپنے عاشق کا قاتل ہوتا ہے اور جس طرح پاتا ہے اول تو مال لیتا ہے بے عزت بناتا ہے۔ پھر جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔ کہ میرا عاشق مر جائے تو میں اس کو اڑاؤں اور خوب مزے سے کھاؤں۔ اور اپنے عاشق کو اپنی خوبصورتی ناز نخرا شکل شباہت کی تلوار سے قتل کرتا ہے۔ اگر اس کا عاشق بے جان یا بے زر مفلس ہو جاوے تو پھر معشوق اس کا مخول اڑاتا ہے۔ اور طرح طرح سے اس کو رسوا کرتا ہے بعض وقت جذبۂ عشق میں انسان پاگل ہو جاتے ہیں۔ اسوجہ سے کہ اُن لوگوں کو عشق کی روحانی بیماری ہو جاتی ہے۔ جو کہ اُن کو چند روز بعد ہلاک کر ڈالتی ہے۔ اس لئے۔ اس لئے چاہیئے کہ اگر انسان خوش قسمتی سے اپنا خاندان اچھا گھرانا۔ اچھا کاروبار۔ روزگار بنانا و عزت۔ حیثیت۔ علمیت۔ جفاکشی۔ شجاعت کو بڑھانا چاہیئے۔ تو ایک تو عشقیہ کتابیں ناول۔ عشقیہ اشعار۔ عشقیہ باتیں۔ عشقیہ سوسائٹی کو ایک قلم بالکل ترک کرے۔ اور بھولے سے بھی ہرگز نام مت لے۔ اور پری سے پری معشوقہ کو ایسا خیال کرے کہ جیسے کچن کا پھل دیکھنے میں کیسا سرخ اور عمدہ ہوتا ہے۔ لیکن اُس کے اندر ایسی زہریلی خاک بھری ہوئی ہوتی ہے کہ اگر انسان اُس کو کھا جاوے تو نہایت سخت مضر اثر پیدا ہو۔ +۔

فصل دوازدہم

ادب

ادب کرنا بھی ایک انتظامیہ فعل ہے۔ ایک دانا نے کہا ہے کہ حاکم کا اپنے ہر ایک رشتہ دار بزرگ کا۔ اپنے استاد کا اور عموماً ہر ایک دانا۔ عالم کا۔ فیاض حام دولت مند کا۔ کامل فقیر کا۔ واعظان قانون کا بالضرور ادب کرنا لازم ہے۔ اگر ان سے کچھہ تعلق پیدا ہوجاوے تو نہایت ادب سے ان سے کلام کرے۔ اگر ان کا کام ہو اور کسی طریقہ سے یہ اس کے انجام دینے کو فرماویں تو حتی المقدور اگر اپنا کوئی خاص نقصان نہ ہو تو اس کو انجام دے۔ اگر ان سے کسی کام کو انجام دلانا ہو نہایت منت خوشامد سے ان سے پیش آوے۔ اگر کسی معاملے میں یہ ناراض ہوکر سخت کلامی کریں۔ نہایت تحمل سے اسکو برداشت کرے۔ اگر اپنے کسی فعل سے یہ خوش ہوجاویں تو اپنی خوش قسمتی سمجھے۔ بیشک بڑے آدمیوں کو خود آرائی کا خیال ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی نسبت نکتہ چینی کرنا لاحاصل ہے کیونکہ انکو خداداد نعمت ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے مزاج میں خصوصیت ہوتی ہے۔ یہ لوگ جہاں پر اتفاقیہ مل جاویں اگر کوئی خاص نقصان نہ ہو تو ان کو سلام کرے۔ اگر یہ اپنے مکان پر آویں اپنی جگہ سے اُٹھکر انکو نہایت معزز جگہ بٹھلاوے اور کوئی حرکت ایسی نہ کرے کہ انکو فضول معلوم ہو اگر ان کے گھر جاوے تو نہایت ادب سے جو جگہہ اپنے بیٹھنے کے لئے مناسب سمجھے اس سے بھی کم درجہ کی جگہ بیٹھے اور یہ اگر کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں تو انکو اپنی طرف مخاطب کرنے میں جلد بازی نکرے۔ اور اگر اسوقت موقع نہ ہو تو کسی دوسرے موقع پر ان سے عرضداشت کرے۔ رشتہ دار۔ بزرگ۔ اُستاد۔ دانا۔ عالم۔ فقیر۔ اگر غریب بھی ہوں تب بھی ان کا ادب کرے اور انکی عزت کو اپنے دل میں جگہ دے۔

بہت سے آدمی تہذیب کے پایہ سے گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہم کو کسی سے کیا غرض ہے کہ ہم کسی کا ادب کریں۔ بیشک انسان بذات خود آزاد ہے۔ لیکن آزادی کے کسی جزکے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان غیر مہذب ہوجاوے اور ماں بہن عورت لڑکا لڑکی والدین دوست دشمن سب کو یکساں سمجھنے لگ جاوے اور جن خیالات کو حاصل کرکے انسان دنیا کی سب چیزوں کو یکساں سمجھتا ہے۔ جبکہ اس کی حالت مجذوب کی سی ہوجاتی ہے۔ تو وہ منزل دوسری ہے۔ وہ منزل دنیاوی کاربار اور انتظام خانہ داری سے تعلق نہیں رکھتی ہے ورنہ خانہ داری میں رہ کر انسان کو طریقہ ملکی و دنیاوی بالضرور برتنا پڑتا ہے۔ پس تمام داناؤں کا یہ قول ہے کہ انسان کتنا ہی ہشیار۔ عقیل۔ فہیم۔ دولت مند۔ عالم۔ قابل۔ لائق۔ فائق۔ عہدہ دار صاحب رتبہ ہوجاوے۔ بالضرور قابل عزت شخصوں کی حسب مقدور عزت کرے۔ اور اُن کی حیثیت کے موافق اُن سے سلوک کرے۔ تب ہی انسان دنیا میں برخوردار کہلانے کے لائق ہوسکتا ہے۔

فصل سیزدہم

دوستی

دوستی کرنا یا ہونا بھی قدرتی ایک انتظامیہ فعل ہے۔ باپ۔ بیٹا۔ ماں۔ بھائی۔ بہن۔ جورو۔ وغیرہ یہ سب ہمدرد

اچھے دوست ہیں۔ علاوہ اِن رشتہ داروں کے۔ ہم عمر۔ ہم خیال۔ ہم رتبہ۔ ہم جنس بھی دوست ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ تو اس قسم کی دوستی اتفاقیہ ہوجاتی ہے اور بعض دفعہ اپنے ارادے سے یا طرف ثانی کے ارادے سے ہوتی ہے۔ بیشک اگر ہمدرد دوست ہو تو اس سے انسان بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن یہ فائدہ اس دوست سے حاصل ہوتا ہے کہ جو بذات خود چال چلن کا اچھا۔ اور شریف اور قابل انسان ہو۔ ایک دانا نے کہا ہے کہ۔ دشمن قیدی۔ قمار باز۔ چور۔ ٹھگ۔ راستہ لوٹنے والا۔ جھوٹا۔ زناکار۔ زیادہ نشہ باز۔ دائمی بیمار۔ زیادہ مقروض۔ ان سے دوستی رکھکر نہ تو انسان کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ نہ شریف ہو سکتا ہے۔ بلکہ خطرہ ہے کہ وہ خود ایسے آدمیوں کی صحبت سے کسی افعال بد کا فاعل ہوکر خود کسی فعل بد کے شکنجہ میں گرفتار نہ ہوجاوے۔ خواہ وہ کیسا ہی لائق مزاج انسان کیوں نہ ہو پرانے آدمیوں نے جو مثالیں قائم کی ہیں بالکل ٹھیک ہیں۔ اور ایسی صحبت کا اثر بہت جلد موثر ہوتا ہے۔ بڑے بڑے خاندان ریاستیں۔ گھرانے۔ بڑے بڑے سادہ مزاج۔ صحبت بد کی بدولت تباہ ہوگئی ہیں۔ اور اُنکی زندگی کو نہایت تکلیف دیکر آخر میں نہایت بے عزتی سے ہلاک کیا ہے۔ دراصل بد صحبت ایک قسم کا ایسا زہر ہے کہ جو بتدریج پھیلتے پھیلتے تمام روحانی زندگی میں پھیل کر انسان کی زندگی سے اس آرام کو نکال کر (جو کہ اُسکو قدرتاً ملنا چاہیئے تھا) نہایت سخت تکلیف کی حالت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کی عزت۔ حرمت۔ حیثیت روحانی وجسمانی طاقت کو ملیا میٹ کرکے خاک میں ملا دیتا ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں وہ آدمی ایسا حقیر ہوجاتا ہے کہ عوام میں یا خاص میں اسکی کوئی وقعت نہیں رہتی ہے ایک عالم کا قول ہے کہ صحبت سے بعض وقت انسان یا حیوان اپنے اصلی وجود کو بھول جاتا ہے اور جیسے کہ مکان کی اور درخت کی جڑ میں کوئی ابتدائی نقص رہ جاوے تو وہ نقص سوائے مکان کو گرانے اور درخت کو کٹوانے کے درفع نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح دس دس پندرہ پندرہ سالہ لڑکے اور لڑکیوں کا حال ہے۔ ان کی ابتدائی حالت میں ان کو جو صحبت میسر آویگی اسی رنگ میں رنگے جاویں گے۔ اور وہ رنگ ان کے اوپر اس پختگی سے چڑھ جاوے گا کہ لاکھ لاکھ تدابیر سے بھی نہ اتر سکے گا۔ بالفرض اگر کسی کامل استاد نے ہزار کوشش سے اُتار بھی دیا تو اس کی دھمک ہرگز ہرگز نہ جائے گی اور خیال ہے کہ بہ نسبت نیک صحبت کے بد صحبت کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔ کیونکہ بد صحبت کی ابتدائی حالت میں انسان طرح طرح کے لطف پاتا ہے۔ دوستوں کی چہل پہل ہنسی مذاق طمطراق۔ کھانا۔ پینا۔ نشہ بازی۔ زناکاری۔ انکو بہت بھلی معلوم دیتی ہے۔ اور ہر ایک بات میں چالاکی سے کام لیتا ہے۔ بعد میں۔ جب یہ سب امورات اس کو تکلیف دیتے ہوئے اس کے سامنے سے گزرتے ہیں۔ تو اس کو بد کردار پچھتانا پڑتا ہے۔ لیکن جو کچھ نقص ہوچکا اُسکا انسداد اس کے یا کسی دوسرے شخص کے اختیار میں ہرگز نہیں رہتا اور نیک صحبت کے اول میں بیشک انسان کو کسی قدر آزادی سے محروم رہنا پڑتا ہے۔ اس کو عیب اور شوق کرنے کی اجازت بہت کم ملتی ہے۔ بلکہ اس طرف سے اس کو منع کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسان کا قدرتی مزاج ان افعال کیطرف زیادہ دوڑتا ہے کہ جن میں اس کو فی الفور زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو اس طرف سے رکنے میں بہت گرانی معلوم دیتی ہے۔ بیشک بد صحبت کا آخری اثر زہر کے پودے کی مانند ہے اور نیک صحبت کا اثر نہایت شیریں اور آبحیات چشمہ کے موافق ہے۔ لیکن افسوس اس بیچارے کو اس قدر تمیز نہیں ہے کہ وہ اس قدر نشیب وفراز پر اثر ڈال سکے۔ اگر پرند کو خبر ہو کہ دانے میں دام ہے تو وہ اس کو چگنے کیوں جائے۔ بیشک اس سے زیادہ افسوس تب ہے کہ اس پرند کو کوئی شخص اس امر سے مطلع کردے کہ دانہ دام میں پڑا ہوا ہے۔ اور وہ پرند اُس نصیحت کو نہ مان کر دانہ کی لالچ سے دام میں پھنس جاوے۔ بیشک یہاں پر تقدیر کا مسئلہ صادق آوے گا۔ کہ ایک

انسان کو سمجھایا جاوے۔ تنبیہ کیا جاوے بہت ہی نیک نیتی کے ساتھ بوجہ تمام منع کیا جاوے۔ نصائح میں کہا جاویں کہ یہ راستہ بہت ہی خراب ہے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ جن اشخاص نے اس راستہ کو اختیار کیا ان کی آج کیسی نکمی گت ہو رہی ہے۔ اگر پھر بھی وہ نہ مانے اور اپنی حالت و مفید و مضر افعال پر نظر کرکے صحبت بد سے پرہیز نہ کرے تو اس کی قسمت اور تقدیر ہے۔ در اصل تقدیر کا بھی کیا قصور ہے بدکرداروں۔ نشہ بازوں۔ چال چلن کے خراب لوگوں۔ عیاشوں کی باتوں کا جال ہی ایسا ہوتا ہے کہ نوجوان آدمی اس میں جھٹ پھنس جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نیک آدمی کی صحبت ہرگز ہرگز تکلیف نہیں دے سکتی جہاں اس سے ہو سکیگا۔ بھلا کرے گا وقت مصیبت حتی المقدور اگر مناسب سمجھے گا مدد کرے گا۔ افعال بد سے خبردار کرے گا۔ اور اگر اس سے امکان میں ہوا تو افعال بد سے روکے گا۔ نیک صحبت سے عزت دوبالا ہوتی ہے جہاں اس انسان کا ذکر ہوتا ہے اس کی تعریف کیجاتی ہے۔ اور اس کو شریف کہا جاتا ہے۔ عوام میں اس کی بات کا اس کے فعل کا اعتبار پیدا ہوتا ہے اگر وہ ملازم ہے تو آقا کو اس پر بھروسہ ہے اگر آقا ہے ملازمان پر اسکا رعب ہوتا ہے۔ بس میری ایک خاص نصیحت ہے کہ خوش قسمتی سے انسان کے اندر اگر یہ خیال پیدا ہو جاوے کہ مجھکو دنیا میں اپنی زندگی امن و آسایش سے کس طرح گذارنی چاہیئے اور خدانخواستہ بد صحبت سے جو مجھکو نقصان پہنچ چکا ہے۔ جس سے کہ میری روحانی و جسمانی حالت کمزور ہو گئی ہے تو اسکو چاہیئے کہ وہ نیک اور مہاتماؤں کی شرن لے اور ان کے آگے سچے دل سے اپنی تکلیف بیان کرکے صاف دلی سے اُن سے اس کا انسداد چاہے اور جب وہ مہربانی کرکے کچھ تبلاویں نہایت توجہ سے اس پر عمل کرکے اپنی زندگی کو درست کرے۔ اور خواہ کتنا ہی عالم۔ دولت مند۔ شہزور صاحب رتبہ ہو جاوے اپنے دل میں ہرگز غرور پیدا نہ کرے اور دنیا میں حسب مقدور نیکی پھیلا کر اور نیک نام پیدا کرکے آخر میں نجات کا مستحق ہو۔

فصل چہاردہم

رحم

بعض دفعہ انصاف اور رحم کا مسئلہ نہایت قابل بحث ہو جاتا ہے۔ اور بڑی باریک بحث کرنی پڑتی ہے اور فیصلہ نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ بھینس کے جسم میں کیڑے پڑ گئے مالک چاہتا ہے کہ ہزارہا کیڑوں کو ایکدم میں فنا کر دیا جائے۔ کیڑوں کی طرف سے انصاف مقتضی ہے کہ کیڑوں کو کس قصور پر تکلیف دیکر ہلاک کیا جاوے اگر بھینس خدا کا بنایا ہوا جانور ہے تو کیڑے بھی اسی خدا کے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر جواب ملے کہ ان کو نکال دیا جاوے تو انکا نکالنا ہی ان کی ہلاکت کا باعث ہے اگر جواب ملے کہ زخموں میں کیڑوں کی وجہ سے تکلیف زیادہ ہوتی ہے تو اعتراض پیدا ہوگا۔ کہ کیڑوں کو ہلاک ہوتے وقت کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ اگر کہا جاوے کہ بھینس تو دودھ دیتی ہے کیڑے کیا کریں گے۔ تو پھر مالک نے دودھ کے لئے ہزارہا جانوروں کو بے قصور ہلاک کر دیا اس سے زیادہ خود غرضی کیا ہوگی۔ اور ایک قسم کی سخت بے انصافی ہے اگر کہا جاوے کہ بھینس تو دنیا میں بہت سے کام سنوارتی ہے کیڑے کیا کام سنوارتے ہیں۔ تو کیا خداوند کریم دنیا میں کسی فضول چیز کو بھی پیدا کرتا ہے۔ گویا خدا کی طرف سے کیڑوں کا پیدا کرنا فضول فعل ہوا۔ لیکن خدا کے ماننے والے فرقوں میں سے یہ مجال کس کی ہے جو اِثبات کو

ذہن پر لاوے ۔+۔

درحقیقت رحم کو ایک خاص حالت ہے جس کا صرف انسانی طبیعت سے تعلق ہے از قسم معاملات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر رحم کا ذکر دو جگہ بہت ہوتا ہے۔ جس میں بحث شروع ہوتی ہے ۔

اول۔ لڑائی۔ برا و جنگ ملکی۔

دوم۔ گوشت خوری۔ جس میں قربانی وغیرہ سب شامل ہیں ۔+۔

ذکر اول کی نسبت یہ بات ہے۔ بعض وقت انتظام شاہی میں بغیر لڑائی کئے لڑائی کرنے سے زیادہ نقصان ہوتا ہے اس لئے فوجی ملازمان کو شاہی حکم پاکر جان توڑ کر لڑنا پڑتا ہے۔ پس وہ ایک ایسی صورت اور حالت ہے کہ وقت اور موقع دیکھ کر قابل آدمی (جو کہ اس کے طریق اور رموز سے واقف ہو رائے زنی کر سکتا ہے۔ کہ کون سا موقع جنگ کرنے کا ہے اور کونسا موقع جنگ سے ہٹنے یا باز رہنے کا ہے۔

ذکر دوم۔ بیشک تشریح طلب ہے۔ اگرچہ اس مسئلہ کا کسی مذہب سے تعلق نہیں ہے اس مسئلہ پر مذہبی بحث بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔

دراصل علم طبابت سے (جس سے اس مسئلہ کا خاص تعلق ہے) ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کی خوراک نباتات (جس میں اناج وغیرہ سب شامل ہیں۔) ہے اور اسی نباتات پر حیوانی زندگی کا دارومدار ہے۔ باقی سب تکلف ہے۔ قدرتی طور پر جس طرح کہ انسان ایک جاندار شے ہے اسی طرح دیگر جاندار ہیں۔ جماع کرنا۔ کھانا پینا۔ سونا۔ چلنا پھرنا۔ محبت کرنا۔ جیسے کہ انسان میں ہے ایسا ہی یا اس سے کسی قدر کم و بیش دیگر حیوانات میں ہے جس طرح انسان زندگی بسر کرتا ہے اسی طرح دیگر حیوانات کرتے ہیں۔ پھر کوئی دلیل ایسی نہیں ہو کہ خاص حضرت انسان جسکو فہم ادراک کا مادہ سب جانداروں سے زیادہ عطا ہوا ہے اُن کا گلا گھونٹ کر کسی طریقہ سے اُن کو کھاوے۔ اور ان کو مارتے وقت جو تکلیف ہوتی ہے اس کا کچھ خیال نہ کرے اس میں کچھ شک نہیں کہ گوشت خوری کا رواج اُن اہل ہنود کی پرانی کتابوں میں بھی صاف پایا جاتا ہے کہ جو آج کل گوشت خوری سے بالکل نفرت کرتے ہیں۔ اور گوشت خوری کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اور بلکہ اپنی پرانی کتابوں میں سے گوشت خوری کا دھبہ ہٹانے کے لئے اس عبارت کے [illegible] معنے بدل کر فضول دلائل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری پرانی کتابوں میں گوشت خوری کا رواج نہیں پایا جاتا ہے۔ لیکن اگر سوچا جاوے تو ایک بلند خیال آدمی کے نزدیک بہ حیثیت منصف مزاجی کل گوشت خواروں کے ساتھ یکساں بحث ہوگی۔ خواہ وہ کسی مذہب کسی فرقہ کسی سوسائٹی اور کسی ملک کے ہوں۔

گوشت خوری یا گوشت فروخت کرنے کے ارادے سے جسوقت جانور چرند یا پرند کی گردن پر چھری چلتی ہے۔ اور وہ جانور نیم مردہ ہو کر اپنے قصاب سخت جگر کے آگے تڑپتا ہے اس وقت کون ایسا دل ہوگا کہ جس کے دل میں اس کی تکلیف کو دیکھ کر رحم نہ آتا ہو۔

کاش کسی ملک میں کسی قسم کے ایسے حیوان یا انسان ہوں کہ جو حضرت انسان کے جسم کا گوشت کھانا پسند کرتے ہوں اور وہ حضرت انسان کو پکڑ کر ذبح یا قتل کرنے لگیں اور انسان کی بولی وہ نہ سمجھتے ہوں۔ اور جسوقت انسان کے گلے پر چھری چلنے لگے تو اوسوقت ایک رحمدل سے رحمدل اور منصف سے منصف مزاج آدمی کو اپنی کانشنس سے شہادت لینی چاہیے کہ اسوقت اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ بارہا دیکھا گیا کہ بعض

دفعہ بیوقوف نہیں بلکہ بڑی بڑی سمجھ کے دانا۔ حکیم۔ بزرگ۔ دولت مند۔ عقلمند۔ کسی مذہبی فروعات کو پورا کرنے کے لئے دیوی دیوتا۔ یا خدا یا کسی دیگر اوتار یا پیغمبر کی روح خوش کرنے کے لئے کسی غریب جانور کا گلا کاٹ کر اور اس کو تڑپا تڑپا کر مار کر کہتے ہیں کہ یہ فعل ہمارا دیوی دیوتا اور خداوند کو خوش کرنے کے لئے ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس کانشنس اور کس دلیل اور کس خوبی سے اس بات کو اپنے دل میں سماتے ہیں کہ کیا کسی ایک یا بہت سے جانوروں کو تڑپا تڑپا کر مار کر کوئی اولیا پیغمبر۔ دیوی دیوتا خداوند کریم جس کے یہاں رحم کا منبع ہے جس کو ہندو لوگ دیا دان کہتے ہیں۔ کس طرح خوش ہوتا ہے۔

گوشت خوری کی طرف سے یہ اظہار صفائی۔ کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اس کی تکلیف کا گناہ ذابح کو ہوتا ہوگا۔ ہم تو بنا بنایا گوشت لا کر کھاتے ہیں بالکل ناکافی ہے کیونکہ گوشت خور خود اپنی کانشنس سے شہادت لے رہا ہے کہ ذابح نے گوشت خواروں کے لئے جانور کو ذبح کیا ہے۔ مثلاً زید جو کہ جانتا ہے کہ بکر چوری پیشہ ہے اور وہ خالد کا مال چرا کر میرے ہاتھ فروخت کرتا ہے۔ اگرچہ زید چوری کرتے وقت بکر کے شامل نہیں ہے اور بکر صرف زید کے ہی تحریک دلانے سے (جس کے معنے یہ ہیں کہ زید بکر سے ہمیشہ دانستہ چوری کا مال اپنی نفس پروری کے لئے لیتا ہے) چوری پیشہ کرتا ہے۔ اس حالت میں زید اور بکر دونوں مجرم ہیں۔

بیشک مذہب کی فروعات انسان کے دل کو مضبوط بنا دیتی ہیں۔ کہ بعض فعل کو ایسی صورت میں بھی بکمال طور پر انجام دیدیتا ہے۔ کہ جس کے نہ کرنے پر اس کو اس کی کانشنس مجبور کرتی ہو کیونکہ وہ بوجہ اپنے روحانی ضعف کے چاروں طرف سے ایسا گھرا ہوا ہوتا ہے۔ کہ فروعات کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نکالنے کی مجال نہیں سمجھتا حالانکہ وہ دولت مند۔ عقلمند۔ شجاع۔ بہادر اور ہر ایک معاملہ میں اپنے آپ کو طاقتور سمجھتا ہے لیکن افسوس کہ مذہبی فروعات کا دباؤ اس کی ہر ایک صف کو چھپا کر مجبوراً اس سے ایسے سینکڑوں فعل کرتا ہے۔ کہ جو سراسر اس کی حق میں۔ اس کے بھائیوں کے حق میں۔ اس کی اولاد اور اس کے دیگر متعلقین کے حق میں۔ پبلک کے حق میں جانداروں کے حق میں۔ سراسر نقصان دہ ہیں۔ حالانکہ ایسے شجاع اور بہادر اور عقلمند دولت مند کو مناسب تھا کہ وہ ا[illegible] ان نقصان دہ باتوں کو نہایت دانائی اور ہشیاری سے بتدریج قطع کرے کہ جو اس کی نظروں میں بری اور نقصان دہ دکھلائی دے رہی ہیں۔

گوشت خواری کی طرف سے یہ الزامیہ جواب کہ انسان پانی و ہوا کے ذریعہ سے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے کھا پی جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کو اُن کے کھائے جانے کا علم ہے۔ اور اُن جانداروں کو بالضرور تکلیف ہوتی ہے جبکہ وہ انسان کے جسم میں جا کر مرتے ہیں۔

بیشک ایسا ہوتا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ننھے جاندار مادہ کا ہوا اور پانی وغیرہ میں موجود ہونا اور کسی ترکیب ان کا علیحدہ نہ ہونا ایک قدرتی انتظام ہے۔ اور حتی المقدور اپنی جان کو صحیح و سلامت رکھنا ہر ایک انسان و حیوان کا فرض ہے۔ اور جبکہ بغیر پانی اور ہوا انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور نہ جاندار مادہ کو کھانے یا ہلاک کرنے کی غرض سے پانی اور ہوا کو استعمال کرتا ہے۔ اور کوئی بدنیتی انسان کی طرف سے اس امر کی نہیں پائی جاتی کہ جو اس جاندار مادہ کی ہلاکت کا باعث ہو۔ تو جبکہ انسان نیک نیتی سے قدرتی چیزوں کا استعمال کر رہا ہے۔ تو ایسی صورت میں قدرتی طور پر کوئی جاندار مادہ جس کو وہ خوردبین سے

بھی معلوم نہیں کر سکتا اُس کے اندر چلا جاوے کوئی گناہ نہیں ہے۔

دوسرے یہ خیال کہ اگر انسان کو گوشت خوری کی مشق نہ ہو تو وہ بموقع جنگ ملکی جنگ کرنے کے قابل سخت دل نہیں ہوتا بھی مضبوط نہیں ہے۔ کیونکہ بعض نہایت معمولی قومیں مثلاً چمار۔ بھنگی۔ کھٹیک۔ چڑ کٹے۔ بنگلے وغیرہ دن رات کچا گوشت کھاتے ہیں لیکن بموقع جنگ ملکی جنگ کرنا تو درکنار دس دس کوس تک جنگ کے پاس جانے میں اُنکا پیشاب خطاب ہوتا ہے۔ اسلیئے دراصل ملکی جنگ کرنا گوشت خواری پر منحصر نہیں ہے بلکہ جنگ کی مشق کے تعلق ہے۔ جیسے فوج قواعد داں ہوگی ویسا ہی کام کرے گی۔

ہر قسم کے بیضہ کا کھانیکے لیئے استعمال کرنا بھی ایک قلم کی گوشت خواری ہے۔ خواہ اُس میں ابتک جان نہ ڈالی ہو کیونکہ واغطان قانون کے نزدیک جیسے کہ اسقاط حمل بمقابلہ قتل انسان کے جرم ہے۔ ایسا ہی یہ ہے۔

زہردار جانور مثلاً سانپ۔ ننتیا۔ بھڑ وغیرہ اگر ایسی جگہ میں ہوں جہاں کسی انسان کے ہلاک ہونے یا انسان کو ایسی تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو کہ جس سے انسان بیتاب ہو جاوے تو بالضرور اس طور پر مار ڈالنا چاہیئے کہ جس سے اُس کو زیادہ دیر تک تڑپایا نہ جاوے۔ +

مقالہ دوم

جسمانی زندگی

جس میں بارہ فصلیں ہیں

فصل اول

حالت حمل

واضح ہو کہ جب مرد اور عورت کی منی بحالت صحت رحم میں داخل ہوتی ہے۔ بوقت استقرار حمل رحم کا مُنہ بند ہو جاتا ہے۔ اور اُس میں قدرتی قواعد کے مطابق ایک امتزاج پیدا ہوتا ہے۔ اور اُس میں چار نقطے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دل کا ایک دماغ کا۔ ایک جگر کا۔ ایک آلات تناسل کا اور خون حیض بند ہو جاتا ہے۔ جو کہ بچہ کی پرورشی غذا بنتا ہے۔ اِس کو حالت اول کہتے ہیں۔ یہ سات روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد میں ان چاروں عضو کے نشان ہو جاتے ہیں۔ اس کو حالت دوم کہتے ہیں۔ جو کہ چار روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد ازاں ان چاروں کے اوپر غلاف پیدا ہوتا ہے۔ اس کو حالت سوم کہتے ہیں۔ چھ روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد ازاں تمام دیگر اعضا بننے شروع ہوتے ہیں۔ اسکو حالت چہارم کہتے ہیں۔ یہ چالیس روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد ازاں لڑکا یا لڑکی کے نشان پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسکو حالت پنجم کہتے ہیں۔ یہ بھی چالیس روز میں تمام ہوتی ہے۔ بعد ازاں

روح ڈلجاتی ہے (یا انہی امتزاج سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ معاملہ زیر بحث ہے۔ کہ روح کس طرح ڈلتی ہے) اس کو حالت ششم کہتے ہیں۔ دو ماہ میں تمام ہوتی ہے۔ بعد میں پرورش ہوتی ہے اور تمام جسم کی تکمیل ہوتی ہے اسکو حالت ہفتم کہتے ہیں یہ قریب چار ماہ میں ہوتی ہے۔ بعد ازاں حرکت ہوتی ہے۔ اگر سب طرح تندرستی ہو تو بچہ صحیح و سالم باہر آتا ہے۔ جسوقت بچہ باہر آجاوے نہایت نرم کپڑے سے اُس کا بدن پونچھ دیویں رحم کے اندر سے جو آلایش نکلے اُس کو باہر جنگل میں لیجا کر دفن کردیں یا پھونک دیویں اور قریب ۶ گھنٹہ بعد بچہ کو نہایت تھوڑے تھوڑے نیم گرم پانی سے آہستہ آہستہ نہلاویں

فصل دوم

پیدایش

جب بحالت صحت بچہ پیدا ہو جاوے اُسکو نہایت حفاظت سے رکھیں بعض خودغرض انسانوں میں یہ رواج قومی یا ملکی یہ خیال ہے کہ لڑکے کے وجود کو لڑکی کے وجود پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور لڑکے کے وجود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بمقابلہ لڑکے کے لڑکی کے پیدا ہونے سے اول تو ناخوش ہوتے ہیں۔ دوم اُسکی پرورش حفاظت کھانا۔ پینا اچھی طرح نہیں کرتے۔ پیشتر زمانہ میں دختر کشی کا رواج تھا کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی پوشیدہ طور پر ہلاک کردیا کرتے تھے لیکن جب سے انگریزی سلطنت کی عملداری ہوئی ہے۔ اس رواج کی بیخ کنی ہوگئی۔ تاہم تہ دل سے چاہتے ہیں کہ کچھ اسباب ویسے ہوجاویں کہ جن سے لڑکی مرجاوے۔ افسوس یہ خیال ردّی اور پوچ ہونے کے علاوہ ملکی ترقی اور سلسلہ نسل کو بہت ہی سخت نقصان پہنچانیوالا ہے۔ اس خیال کے آدمی کو یہ خیال مطلق نہیں ہوتا کہ اگر لڑکیاں اور عورتیں نہ ہوں تو سلسلہ نسل کس طرح قائم رہے۔ دراصل وہ شخص لڑکی سے آزردہ خاطر نہیں بلکہ اپنے اُس آرام اور آسایش کو خیال کرکے اُس خیال کے خلاف ہے۔ کہ جو اُس کو لڑکا پیدا ہونے سے ہوتا۔

رنڈیوں کے یہاں جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اُن کو نہایت خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کا وہی ذریعہ وجہ معاش ہے بھینس کے شکم سے جب کٹڑی پیدا ہوتی ہے۔ بھینس والا خوش ہوتا ہے۔ جب کٹڑہ پیدا ہوتا ہے ناخوش ہوتا ہے مرغی کے انڈوں سے جب مرغ نکلتے ہیں تو مالک انڈہ ایسا خوش نہیں ہوتا جیسے مرغیوں کے نکلنے سے ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

بیشک ہر ایک انسان کے اندر سے خودغرضی کا خیال قطع ہونا بہت ہی مشکل امر ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ایک قابل اور بلند خیال آدمی ہر وقت خودغرضی کے مرض میں گرفتار ہو کر جائز ناجائز کی تمیز نہ رکھتا ہوا اندھا ہو کر ظلم پر آمادہ ہو اسلیئے چاہیئے کہ خواہ لڑکی پیدا ہو یا لڑکا سب کو آرام دینے اور پرورش کرنے کے خیال سے بچوں کی پرورش کرے اور اُنکی تکالیف کے انسداد میں حتی المقدور روپیہ پیسے کی زیادہ پرواہ نہ کرے۔ اُنکی سردی گرمی نہلانے دھلانیکا ہر وقت خیال رکھے۔ زیور پہنانیکی جہالت کچھ تو دُور ہوگئی ہے۔ اور جوں جوں روشنی کا زمانہ آتا جاویگا دُور ہوتی چلی جاوے گی جہانتک ہو بچہ کو غذا نہایت لطیف دیوے اور پانچ سال تک کسی بات کے سکھلانیکی تکلیف نہ دیوے۔ اور بعدہ سال کھلانے پلانے بیٹھنے اُٹھنے زبان سے ٹھیک الفاظ بولنے کے لیئے وقتاً فوقتاً اشارہ کرتا ہے زیادہ رنج نہ دیوے سات سال کی عمر سے سلیقہ سے اُٹھنا بیٹھنا ہنسنا بولنا ادب کرنا وغیرہ سکھلاوے۔ جب لڑکے کی عمر ٹھیک ۱۲ سال کی ہوجاوے تو اُسکو اپنی طاقت اور ضرور کے مطابق کسی لائق اُستاد کے سپرد کرے پندرہ سال تک چار گھنٹے روزانہ تعلیم دے۔ بعد میں پچیس سال تک جیسے اعضا اور قوےٰ ہوں تعلیم دیتا رہے۔ +

فصل سوم
تسلسل اولاد

ہمارے ملک میں تسلسل اولاد کے لئے لڑکے اور لڑکی یا نوجوان مرد وعورت کے باہمی تعلقات کا پیدا کرنا بزرگوں کی رائے سے انجام پاتا ہے۔ سابقہ عالمان نے قرار دیا ہے بوقت پیدا کرنے تعلقات از قسم مذکورہ بالا مرد کی عمر کم از کم ۳۵ سال اور عورت کی عمر ۲۵ سال ہونی چاہیئے۔ لیکن آجکل تو اس عمر میں مرد وعورت کے جسم کے اندر ایک طرح کا بڑھاپا آجاتا ہے اسلیئے موجودہ عالمان نے زمانہ کی تاثیر کے مطابق لڑکے کی عمر بوقت شادی ۲۱ سال و لڑکی کی عمر ۱۶ یا ۱۷ سال ہونی چاہیئے۔ ایک دوسرے عالم کی رائے ہے کہ لڑکے کی عمر کم از کم ۱۸ سال و لڑکی کی عمر ۱۵ سال کی ہونی مناسب ہے کیونکہ کسی علم کی رو سے اس عمر سے کم میں لڑکے یا لڑکی کے نطفہ انسان کو پختگی حاصل نہیں ہوتی اور نہ اس کا قوام درست ہوتا ہے۔ اور میری رائے میں بھی کم از کم لڑکے کی عمر ۱۸ سال اور لڑکی کی عمر ۱۵ سال ہونی مناسب ہے۔ اس سے کم عمر میں شادی کرنا اسکی آیندہ جسمانی ترقی اور اسکے اعضا کے بڑھنے کو روک دینا اور اسکے اعضائے رئیسہ کو بیکار بنانا ہے رہا اس سوال کی بابت کہ آجکل بارہ بارہ تیرہ تیرہ سال کے بغیر شادی آپس میں ملکر ایسی خرابیاں کرتے ہیں کہ انسے طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوجانیکا اندیشہ ہے۔ بیشک یہ سوال معقول ہے۔ اور اس کا انسداد اور انتظام تب ہی ہوسکتا ہے۔ کہ والدین اور استاد لڑکے کو دس گیارہ سال کی عمر سے ایسے قواعد سے محفوظ رکھیں کہ جو اس کا چال چلن درست رکھنے کے لئے لازمی ہیں۔ ورنہ اس طرح سلسلہ بڑھتے بڑھتے تو ایک دن بچے پانچ پانچ سالہ لڑکے لڑکیونکی شادی کرنی پڑے گی۔ لڑکے کی پابندی یہ ہے کہ ۱۲ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو کسی عیاش آدمی کے پاس پھٹکنے نہ دیں۔ اور نہ عشقیہ مضامین اور اشعار وغیرہ سکھلاویں اگر یہی مکمل انتظام ہے تو مجال کیا ہے کہ لڑکے کو جو بیس سال تک کوئی خرابی پہنچ جاوے یا کسی طرح سے اسکی طبیعت کسی قسم کی بدفعلی کرنیکی طرف مائل ہو۔ اگر ایسا انتظام نہیں ہوسکتا ہے تو یہ لڑکے اور لڑکی کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ منتظمان کے انتظام میں کمی ہے۔ پس اگر قواعد مذکورہ بالا کے طور پر حفاظت ہوجاوے تو لڑکے کا رشتہ ٹھیراویں۔ ہمارے خیال میں اگر لڑکے اور لڑکی کو شادی یا رشتہ ٹھیرانے سے پیشتر آپس میں دکھلا دیا جائے تو ایک طرح کی خرابی ہو کہ بدشکل لڑکے اور لڑکیوں کے رشتہ قائم ہونے میں مشکل ہوجاوے اور یہ سہولت بھی ہے کہ تمام عمر اس امر کا افسوس بھی رفع ہوجاوے کہ ہمارے والدین نے مجبوراً ہمارے ساتھ ایسا کیا ہے۔

لڑکے کو واجب ہے کہ جب اسکی بیوی اسکے گھر آوے اسکے ساتھ ہمیشہ نہایت عزت اور ہمدردی اور پیار اور محبت سے سلوک کرے۔ اور اس کا مزاج نہایت اچھا بنانے کی کوشش کرے۔ اگر لکھنا پڑھنا جانتی ہو تو خیر اگر نہ جانتی ہو تو اس کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے اور اس کو لکھنا پڑھنا سکھلوانا چاہے تو سکھلاوے۔ اگر گھرانہ غریب ہو تو آپس میں دونوں کو ملکر نہایت قبیلداری کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ معمولی کھانا کپڑا مکان وغیرہ اسی انداز کا بنانا چاہیئے کہ جسقدر اس کو اپنی روزی سے میسر آتا ہو۔ بازار سے اسقدر ادھار لینا کہ جس کے ادا کرنے میں مشکل پڑے بازار کا تقاضا اسکا جینا مشکل کر دیتا ہے۔ جسقدر روزی سے ملے اسیقدر گزارہ کرتا رہے۔ ایک دو آسودہ آدمیوں سے ربط ضبط رکھے ممکن ہے کہ کسی بیماری مقدمہ یا کسی اور مصیبت میں تھوڑی بہت مدد کردیں۔ حکام کی خدمت میں بھی سلام مجرا کرتا رہے۔ نہ معلوم کس وقت رحم کرکے کیا فائدہ پہنچادیں۔ اور حکام سے رسوخ کرکے مقدمہ بازی کا شوق نہ کرے۔ کیونکہ فضول مقدمہ بازی بھی ایک قسم کا عیب ہے۔ اپنے بادشاہ وقت کی عزت کو اپنے دل میں خصوصیت کے ساتھ جگہ دے خصوصاً ایسے رحمدل اور انصاف پسند لائق فائق بادشاہ کی جیسی کہ ہماری گورنمنٹ عالیہ ہے جسکے عہد مبارک میں

ہر ایک فرد بشر کو وہ امن حاصل ہو رہا ہے کہ جو ہزار ہا لاکھا سال گزشتہ میں کسی دیگر راجہ مہاراجہ بادشاہ یا فرمانروا کی طرف سے عنایت نہیں ہوا ہے۔ اگر گھر میں آسودگی ہو تو اچھا کھانا کپڑا امکان بہت کم مقدار میں معمولی زیور مہیا کرے اپنی حیثیت کے موافق جس جائز چیز کی ضرورت ہو اُسکو پوری کرے۔ اپنی عورت سے جماع کرے نیکے شوق سے جماع نہ کرے۔ بلکہ اولاد پیدا کرنیکے خیال سے جماع کرے (مُلاحظہ ہو بیان جماع جوکہ آئندہ اوراق میں درج ہے) اسی طرح اپنی منکوحہ بیوی سے تمام عمر زندگی بسر کرے۔ اگر بیوی طبیعت کے موافق خوبصورت نہ ہو تو کچھ خیال نہ کرے کیونکہ وہ کوئی بازاری رنڈی نہیں ہے۔ وہ تو گھر کا وزیر ہے۔ جسکو دیگر صفات سے موصوف ہونا چاہیئے۔ اتفاقاً اگر بیوی مرجاوے اور دوسری شادی مہیا ہو سکتی ہو دوسری شادی کرلے اگر پہلی بیوی سے کچھ بچے ہوں تو حتی المقدور اُنکو اپنے سامنے نہایت حفاظت سے رکھے۔ کیونکہ بہ نسبت بچہ کی اصلی ماں کے دوسری یا اُسکی والدہ کو بہ نسبت اپنے لڑکے کے بہت کم پیار ہوتا ہے۔ اگر استری کا خاوند مرجاوے تو ہمارے خیال میں اسیطرح اُسکے لئے بھی حق ہے کہ وہ بھی اسیطرح دوسرے خاوند سے شادی کرے۔ بیشک پابندی مذہب اِس امر کی سخت مانع ہے اور اسی وجہ سے ہزار ہا لاکھا ایک ایک سال سے لیکر دس بارہ بارہ پندرہ پندرہ سالہ بیوہ لڑکیاں بغیر پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں۔ اور اُن کی طرف سے کوئی شخص بخیال رحمدلی اتنا لفظ بھی زبان سے نکالدے کہ بدھوا یا صرف بال بدھوا بواہ کرنا واجب ہے تو سینکڑوں بڑے بڑے معقول آدمی مذہب کے گھوڑے پر سوار ہو کر سینکڑوں طرح سے اُس کو اذیت پہنچانے کا باعث ہو جاتے ہیں اور اُس کو ناستک لامذہب کرستان کے نام سے نامزد کرتے ہیں۔ لیکن اُس شخص کو خیال کرلینا چاہیئے کہ یہ زمانے کی شکل ہے اور اُن بیچاری غریب اور معصوم ناکردہ گناہ لڑکیوں کی تقدیر ہے کہ جس کی وجہ سے رحمدل قوموں کے انصاف اور رحم سے اُن بیچاریوں کو تمام عمر کے لئے سخت سزا دی گئی ہے۔ جن کا بڑا عذر یہ ہے کہ جب ہماری مذہبی کتابوں اور رسم و رواج کی رو سے منع ہے تو ہم بیوہ کی دوبارہ شادی کس طرح کردیں لیکن اگر کوئی شخص اُنسے یہ دریافت کرے کہ آپ لوگوں کو افعال ظالمانہ کی بیخکنی کرنی لازم ہے یا نہیں تو سوائے اِدھر اُدھر کی باتیں ملانے کے اور کوئی معقول جواب نہ دیسکیں اِس دوسری معقول دلیل پر بھی خیال کیجئے کہ جو پیش ہوتی ہے۔ کہ اگر نوجوان لڑکی کا خاوند مرگیا ہے تو چونکہ اُس لڑکی نے پچھلے جنم میں گناہ کئے تھے کہ جس کی وجہ سے اُس کا خاوند مرگیا اسلئے اُسکے پچھلے جنم کے گناہ کا عیوض دلانے کے لئے اُس کی دوبارہ شادی نہ کرنی چاہیئے۔ تو ہمارے خیال میں اس طرح تو ہر ایک موقع پر یہی سمجھ لینا چاہیئے۔ ایک انسان کو تپ دق کا مرض ہو رہا ہے۔ دوا حکیم تجاویز علاج معالجہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے یہی سوچ لیا کہ اسکے پچھلے جنم کے گناہوں سے اِس کو تپ دق ہو گیا ہے۔ جب پچھلے جنم کے گناہ کی سزا پا لیوے گا خود ہی تپ دق دور ہو جاویگا۔ آفرین ہے ایسے عالم اور معاملہ رس اور فہمیدہ اور عاقل کے خیالات پر تیسری دلیل کہ لڑکی کا سنکلپ گویا اقرار ہبہ لڑکی کا والد صرف ایک ہی دفعہ کرسکتا ہے۔ دوسری دفعہ نہیں کرسکتا۔ گویا لڑکی بمشابہ ایک زمین یا دیگر اسباب گھاس پھوس وغیرہ کے ہے۔ نہیں معلوم انسان کو خیرات کرنے کا سلسلہ اور پھر اُس خیرات کردہ انسان کی تکالیف کا عدم انسداد کب سے جاری ہوا ہے اور کب تک رہے گا۔

فصل چہارم

صفائی

صفائی رکھنا بھی اس قسم کا ایک انتظامیہ فعل ہے۔ کہ تمام عمر تک طبیعت خوش رکھنے اور ہزار ہا بیماریوں سے محفوظ

رکھنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ انگریز لوگ اس قدر روپیہ کیسی امر کو پورا کرنے میں صرف نہیں کرتے کہ جسقدر صفائی رکھنے میں خرچ کرتے ہیں۔ اسیوجہ سے خوش اور تندرست رہتے ہیں۔ صاف کھانا۔ صاف مکان۔ صاف جسم وغیرہ ہروقت رکھنے چاہئیں بعض کاہل مزاج آدمیوں کی حالت نہایت قابل افسوس ہے کہ جو صفائی نہ رکھکر طرح طرح کے امراض میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔ کپڑا صاف نہ رکھنے سے کھجلی اور داد کی بیماری بہت جلد ہوجاتی ہے۔ کھانا صاف نہ کھانے سے بدہضمی کی بیماری پیدا ہوجاتی ہے۔ مکان صاف نہ رکھنے سے ہیضہ۔ زکام نزلہ وغیرہ کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مکان کے اندر سڑا ہوا نالہ اناج اور دیگر قسم کی سڑاند رکھنے سے بخار اور از قسم تپ دق کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور تمام گھر کے لوگوں کی صحت بگڑ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ کھانا۔ کپڑا مکان وغیرہ خواہ غریبانہ طور پر ہو لیکن بالکل صاف ہونا چاہیئے۔ کسی چیز کا زیادہ قیمتی ہونا دوسری بات ہے۔ صفائی ہونا دوسری بات ہے۔ پانی اور ہوا نہایت صاف ہو گدلا اور زیادہ باسی اور بدبودار اور کرم دار پانی پینے سے ضعف معدہ اور ضعف امعا کی کئی قسم کی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ خراب اور بدبودار ہوا لینے سے سل وپھیپھڑوں کی کئی قسم کی دیگر بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ جہانتک ہو جسم کو بھی ہر قسم کی میل کچیل سے بالکل صاف اور موسم کا لحاظ رکھکر کپڑوں سے ڈھکا ہوا رکھنا چاہئے۔ اگر مکان کے صحن میں حسب حیثیت مکان کچھ پودے اور پھول لگے ہوئے ہوں تو نہایت مفید ہیں۔ مکان خواہ مٹی کا ہو یا اینٹ چونہ کا ہو صفائی ہر دو میں یکساں ضروری ہے۔ بہ لحاظ ہواداری نیچے کی منزل میں رہنے سے اوپر کی منزل کا رہنا نہایت مفید ہے۔ اور اگر چاروں طرف سے ہوا کی آمد و رفت ہو تو نیچے کی منزل بھی ویسی ہی مفید ہے۔ اگر گھر میں کوئی چیز بہت ہی عفونت پھیلانے والی ہو اور اُس کی عفونت گھر میں سے نہ جاسکتی ہو تو اُس کو آگ میں پھونک دیں مکان کی زمین و دیواروں کو دو تین مہینہ بعد مٹی سے لیپنا مکان کی صفائی کا نہایت عمدہ ذریعہ ہے اور ہوا بھی صاف رہتی ہے۔ غرضیکہ انسان کو مناسب ہے کہ اگر وہ آپ اور اپنی قبیلداری کو ہمیشہ کیلئے خوش و خورم رکھنا چاہے تو ہر ایک امور میں بتوجہ تام صفائی کا خیال رکھے ٭

فصل پنجم

اکل و شرب

مراد روزمرّہ کی غذا کھانے پینے سے ہے۔ اوّل تو علم طب کا اُصول یہ ہے کہ جسوقت کھانے یا پینے کی نہایت خواہش ہو اُسوقت اس خواہش کو طبیعت کے موافق پورا کرے۔ لیکن ایسا کرنے سے قبیلداروں کے مکمل انتظام میں فرق آتا ہے تاہم اُصول مذکورۂ بالا کو مدنظر رکھتا ہوا کھانے پینے کا وقت مقرر کرلینا چاہیئے۔ صبح کے وقت کا کھانا دس اور بارہ بجے کے درمیان اچھا وقت ہے اور اسکے بعد شام کو چھ اور ۸ بجے کے درمیان کھانا چاہئے۔ جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں عموماً طور پر رواج ہے۔ انگریز لوگ بے شک کئی وقت کھاتے ہیں۔ لیکن بڑا کھانا اُن کا بھی دو وقت ہے باقی اوقات میں چاء وغیرہ نوش کرتے ہیں۔ کھانا خواہ امیری ہو خواہ غریبی علم طبابت کا اُصول یہ ہے کہ بھوک رکھکر کھایا جاوے۔ بیشک بوقت بھوک کھانا کھاتے ہوئے بھوک باقی رکھ کر کھانا کھانے سے ہاتھ اُٹھانا مشکل ہوا کرتا ہے اور خصوصاً جبکہ کئی لذیذ کھانے سامنے ہوں لیکن گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر ہوچکا ہے۔ کہ یہ فعل اُس سے ہوسکتا ہے کہ جسکی طبیعت اپنے اختیار میں ہو۔ وہ شخص ایسے افعال کو پورا کرسکتا ہے

ورنہ طبیعت کی بے اختیاری میں تو انسان سینکڑوں تکالیف خود بخود حاصل کر ہی لیتا ہے۔ اناج سبزی مٹھائی میوہ جات نمک مصالح وغیرہ انسانی خوراک ہیں۔ جیسا میسر آوے نہایت صفائی اور ترکیب اور اعتدال کے ساتھ تیار کر کے کھاوے۔ گھی اور دودھ اگرچہ انسانی خوراک نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں انسان جبراً حیوانات سے حاصل کرتا ہے لیکن چونکہ تمام ممالک میں گھی اور دودھ استعمال کیا جاتا ہے اور انسانی جسم کو مفید پڑتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو بھی اعتدال کیساتھ استعمال کرنا چاہیئے از حد گھی اور دودھ کے استعمال کرنے سے بھی کئی قسم کی بدہضمی کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے اور جسم میں چربی بڑھ جاتی ہے۔ نہ ملنے کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ لیکن جنکو دودھ اور گھی میسر آتا ہے تو ایک جوان آدمی کے لئے کم از کم دو تولہ گھی اور آدھ سیر گائے یا بھینس یا بکری وغیرہ کا دودھ اور زیادہ سے زیادہ ایک چھٹانک یعنی پانچ تولہ گھی اور ایک سیر دودھ کافی ہے۔ اس سے زیادہ استعمال کرنا نقصان دیتا ہے۔ کیونکہ معدہ کی دیواروں میں ازلاق یعنی پھسلن پیدا ہو جاتی ہے پچھلے قصہ کہانئیں کہ فلاں آدمی اس قدر گھی دودھ مٹھائی وغیرہ کھا جایا کرتے تھے اس پر کوئی عمل نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اول تو بعض آدمیوں کے جسم ایسے گرانڈیل ہوتے ہیں کہ ان کے جسم میں زیادہ مقدار میں غذا سما سکتی ہے۔ اور بعض بہت پستہ قد اور دُبلے پتلے آدمی ہوتے ہیں۔ اور زیادہ کھانا کھانا کوئی فن یا تعریف نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کا بھدا پن اور بیوقوفی ہے۔ بعض متبرک مقامات پر بعض لوگ بھنگ پیکر لڈو وغیرہ بہت کھاتے ہیں۔ بلکہ یاتری لوگ اُن کو روپیہ پیسہ دیکر اور زیادہ کھلاتے ہیں۔ میرے خیال میں زیادہ کھانے والا اور زیادہ کھلانے والا دونوں بے وقوف ہیں۔ یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ ایک کھانا کھانے سے دوسرے کھانے میں چھ گھنٹہ کا وقفہ ہونا چاہیئے۔ کھانے کے بعد پانی بہت کم مقدار میں استعمال کرنا چاہیئے۔ جب پیاس لگے پانی کنوئیں کا پیویں ورنہ دریا اور جھیل کا صاف اور شیریں پانی بھی بہت خراب نہیں ہے۔ باوڑی کا پانی بھی عمدہ ہے۔ بارش کا پانی نہایت عمدہ ہے۔ لیکن اس کا انتظام ہونا مشکل ہے اور جس جگہ بارش کے پانی کو لوگ گڈھوں میں جمع کر کے پیتے ہیں وہ پانی نہایت خراب ہے۔ زیادہ برف اور سوڈے کا استعمال ایک تو تکلف بڑھاتا ہے اور اخلاق پر بھی اچھا اثر نہیں ڈالتا۔ اخراجات کو بڑھاتا ہے اور بہت زیادہ مفید نہیں پڑتا بلکہ ایک عادت پڑ جاتی ہے۔ اور روپے پیسے کا نقصان بہت کرتی ہے دو متضاد کھانے بدن میں زہر پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً سرکہ اور دودھ۔ کانجی اور دودھ دہی اور مولی۔ خربوزہ اور پانی وغیرہ ایسی ہر دو چیزیں اگر ایک ساتھ ملا کر کھائی جاویں تو معدہ میں ایک قسم کا زہر پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ سوال کہ ان کے میلان سے زہر کیوں پیدا ہو جاتا ہے بہت مشرح ہے۔ اور ایک ایک کے بیان پر ایک ایک نئی کتاب پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے درج نہیں کیا گیا۔ اور چونکہ یہ بیان بھی اکل و شرب کا ہے۔ اس بیان میں اُن چیزوں کی تاثیرات کا درج کیا جانا ضروری نہیں ہے۔ چاء اور کافی کا زیادہ استعمال معدہ کو نہایت خراب کر دیتا ہے۔ گوشت۔ انڈا۔ مرغی یا دیگر جاندار نہ تو انسانی خوراک ہے اور نہ قدرتی غذا ہے البتہ بہ لحاظ علم طب گوشت گھی اور دودھ کی لائن میں ہے۔ اور اس لئے غذا میں شامل کیا ہوا ہے۔ پس زیادہ گوشت خوری سے معدہ اور امعاء کا فعل بہت کمزور ہو جاتا ہے اگر شدید ضرورت ہو تو گوشت کو نہایت اچھی طرح پکا کر اور گلا کر پھر گھی اور گرم مصالح میں بھون کر کھانا چاہیئے۔ بچوں کو بار بار اور پے در پے کھانا نہ دینا چاہیئے۔ البتہ دو دو تین تین گھنٹہ بعد دودھ یا ہلکی غذا مثلاً کھچڑی۔ ڈبل روٹی۔ مونگ کی دال۔ چاول کھیر وغیرہ کھلایا کریں۔ اور جب بچہ کھانے سے منہ ہٹانے لگ جاوے تو سمجھ لیویں کہ اس کا پیٹ بھر گیا ہے۔ غرضیکہ زندگی کے دار و مدار کا بہت بڑا حصّہ کھانے پینے پر ہے۔ اسکا نہایت دوراندیشی کے ساتھ عمل میں لانا ضروری ہے۔

فصل ششم

نشہ بازی

اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام نشیلی اشیا بوقت ضرورت استعمال کرنے کے لئے ضروری ہیں لیکن یہ معاملہ زیر بحث ہے کہ کس چیز کی ضرورت کا موقع اور محل کونسا ہے اشیار منشی میں سب سے بڑا نشہ شراب ہے۔ یہ سب ملکوں میں عموماً طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اور بیشک بڑے بڑے عاقل ذکی۔ اور فہمیدہ لوگ اس کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ اور بعض مذہبی ریفارمروں نے اس کے چھونے تک حرام ٹھیرایا ہے بعض نے اس کی ممنوعات پر کچھ توجہ نہیں کی۔ کیونکہ اس کے جائز یا ناجائز کی نسبت کچھ تحریر نہیں کیا ہے۔ علم طب جس کا اس چیز کے بیان سے زیادہ تعلق ہے۔ انسان کے لئے اس کا استعمال ضروری نہیں سمجھتی ہے۔ بلکہ غیر ضروری اور نقصان دہ ثابت کرتی ہے بیشک علم طب کا کام ہر ایک چیز کی تاثیر افعال و خواص بیان کرنیکا ہے لیکن ماہران علم طب نے مے نوشی کا نتیجہ بہت بُرا بتلایا ہے۔ شراب جس وقت معدہ میں داخل ہوتی ہے اس کی غذا کچھ نہیں بنتی۔ بخارات تو دماغ میں چڑھ کر دماغ میں غیر معمولی انتشار پیدا کر دیتے ہیں۔ اور بقایا حصہ معدہ کو اور پھیپھڑوں کو نقصان پہنچاتے ہوئے جگر میں آجاتے ہیں۔ اور جگر کا کباب بناکر اسکی مائیت گردوں کے راستہ خارج ہوتی ہے۔ اور خارج ہوتے ہوئے گردہ کی چربی کا بہت بڑا حصہ گل کر پیشاب کے راستہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور مثانہ کی دیواروں کے البیومن کا حصہ بھی نکل جاتا ہے۔ اس سے مثانہ کمزور ہو جاتا ہے۔ شرابی کو جو بھوک لگتی ہے وہ اشتہار کاذب کہلاتی ہے حالت نشہ میں پہلے تو خوب ٹھونس ٹھانس کر معدہ بھر لیا جاتا ہے۔ جس میں سینکڑوں کو تو قے ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ اس کو طاقتور چیز سمجھکر طاقت حاصل ہونے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ایام صحت میں اس کا تھوڑا ہی عرصہ استعمال کرنے سے تمام بدن کے اعضائے رئیسہ میں کمال کمزوری ہو جاتی ہے۔ شرابی کو نصیحت تلوار سے بھی زیادہ بری معلوم دیتی ہے اور ترک شراب کی بات کہنے والیکو اپنا جانی دشمن خیال کرتا ہے۔ بلکہ اُس کو بیوقوف اور بے تمیز سمجھتا ہے لیکن جب کئی تکالیف اُسکے بدن میں گھر کر جاتی ہیں تب یاد کرتا ہے اور پچھتاتا ہے۔ بھوک بند ہو جاتی ہے۔ معدہ بھاڑے کا ٹٹو ہو جاتا ہے۔ خون کے اجزا خراب ہو جاتے ہیں۔ دماغ کے پُرزے کمزور ہو جاتے ہیں۔ ریح پٹھوں میں بھر جاتی ہے۔ بعض دفعہ اس کا اثر شرائین پر مسدّد پڑتا ہے۔ اسلیئے مائیت رُک کر استسقا ہو جاتا ہے۔ اور گردہ خراب ہو کر پیشاب کے متعلق کئی قسم کی تکالیف ہو جاتی ہیں۔ ایام شباب میں کچھ تکلیف نہیں سمجھتا ہے۔ لیکن جس وقت طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہو کر اور شراب کا نام لیکر ہائے ہائے کرتا ہے۔ تب ایسی حالت ہوتی ہے کہ خدا کسی دشمن کو بھی نہ دکھلاوے ایسے ہی افیون۔ مدک۔ تاڑی۔ بھنگ۔ چانڈو۔ سُلفہ وغیرہ کا حال ہے۔ گویا جسم کا ستیاناس کرنے کے لئے ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہے۔ اکثر یہ عادت نشہ بازوں اور عیاشوں کی صحبت سے پڑ جاتی ہے اور اکثر عوام لوگ ایام جوانی میں اشیا منشی کو سُرور پیدا کرنیکے لئے اور امساک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن دو چار مرتبہ بعد قوت باہ سے ہاتھ دھو کر ایک قسم کے نامرد ہو جاتے ہیں۔ اگر

کچھ قوت باقی بھی ہے تو وہ بھی خراب ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ بڑے زور سے یہ اظہار صفائی پیش کرتے ہیں کہ اگر
یہ بالکل بُری چیز ہے تو انگریز اس کو کیوں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اُن کو معلوم نہیں کہ شراب نوشی سے انگریزوں
نے کیا کیا نقصان اُٹھائے ہیں۔ اور ولایت میں سوسائٹیاں کر کے اب شراب کے بالکل ترک کر دینے کی
کوششیں ہو رہی ہیں اور شراب نوشی میں مدہوش ہو کر ڈیوٹی پر جانے کی سخت ممانعت ہی۔ اس وجہ سے کہ
شراب عقل کے چراغ کو گُل کر دیتی ہے۔ رہی اس کی تاثیر کا طاقتور لکھنا یہ تو علم طب کے ماہر کا کام ہے کہ وہ ہر ایک
چیز کے افعال و خواص و تاثیر سے آگاہ کرے۔ اس سلسلہ میں سمّ الفار یعنی سنکھیا بھی ایک قسم کی طاقتور چیز ہی
لیکن اسکے معنی یہ تو نہیں کہ تندرست آدمی سنکھیا کھا لیوے یا سنکھیا کھانے لگجاوے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض
انسان کسی علم میں بغیر کامل تعلیم حاصل کئے صرف کسی کتاب کا مطالعہ کرنے سے مختلف قسم کی اشیاء کی تاثیرات
دیکھکر اور اُس پر عمل کر کے نہایت نقصان اُٹھاتے ہیں۔ افسوس اُن کے اندر یہ سوال نہیں پیدا ہوتا کہ اگر اشیاء
نشئی انسان کے استعمال کے لئے مفید ہوتیں تو مذہبی ریفارمر پیغمبر رشی مہرشی جن کو خدا کا اوتار اور خدا کا
خصوصیت کے ساتھ بھیجا ہوا خیال کیا جاتا ہے اسکے پینے کی اسقدر ممانعت نہ کرتے کہ جنہوں نے نشہ بازی کو
حرام لکھا ہے۔ تو کیا عوام کی رائے ہیں وہ شراب نوشی کی خاصیت سے آگاہ نہ تھے۔ اسلئے خاص ہدایت ہے
کہ خواہ انسان کتنا ہی دولتمند، عقلمند، صاحب رُتبہ، حاکم، محکوم ہو لیکن ہرگز ہرگز کسی نشیلی چیز کو استعمال کرنے کا
نام نہ لے۔ ورنہ ایسا سخت نقصان واقع ہوگا کہ جسکا اندازہ قطعی کسی کے اختیار میں نہ رہے گا اور سوائے
تکلیف پانے اور افسوس کرنے کے اور کچھ نہ بن سکیگا۔ +

فصل ہفتم

استفراغ

جانداروں کی صحت کیلئے استفراغ قدرتی قاعدہ ہی۔ آلات تناسل۔ ناک۔ کان۔ آنکھ۔ پیشاب گاہ۔ مسامات۔
پاخانہ گاہ وغیرہ یہ سب راستہ استفراغ کے ہیں۔ اور قدرتی قاعدہ کے مطابق ان سب راستوں سے استفراغ
ہوتا رہتا ہے۔ ان کے سلئے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جسوقت جس راستہ کے ذریعہ سے میل
خارج ہونی ہوتی ہے۔ انسان کو خود بخود تقاضا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی راستہ میل خارج کرنے سے بند ہو جاوے تو
وہاں پر بالضرور کوئی بیماری ہوگی اور ضروری یہ ہے کہ جس وقت جس راستہ سے جس مَیل کے خارج کرنے کا
قدرتی طور پر تقاضا ہو۔ اُس کو اُسی وقت خارج کرنا چاہیئے۔ جو کہ قدرتی بات ہے ورنہ بعض بعض آدمی دستاور
اور ملین چیزیں کھا کھا کر یا امساک کی ادویات کھا کھا کر اپنی حالت کو بگاڑ لیتے ہیں اور استفراغ تو معمولی ہیں۔
لیکن حالت جماع میں اخراج منی ایک خاص استفراغ ہے۔ جسوقت انسان کو اس استفراغ کی خبر ہو جاتی ہے
افسوس وہ نہیں جانتا کہ یہ استفراغ کس امر کو پورا کرنے کے لئے ہی چونکہ بوقت اخراج منی انسان کو لطف حاصل ہوتا
ہے اسلئے وہ ناجائز طریق پر بذریعہ ہاتھ یا لڑکوں سے یا حیوانوں سے وغیرہ جس جس قسم کے سامان اُس کو
ملتے ہیں اُن ذرائع سے برائے حصول لطف اپنی منی کو ضائع کرتا ہے۔ وہ کیا جانتا ہے کہ چند روز میں میرے
تمام اعضا سوکھے پودے کی مانند خشک ہو جاوینگے۔ اُس کو کیا معلوم ہے کہ بصارت یعنی آنکھوں کی نظر کچھ بھی تو

بوجہ کمی غذا ویسے ہی نہیں رہی ہے کہ جیسی چاہیئے تھی۔ اور کچھ دن بدن اخراج منی سے اندھا ہونیوالا ہو رہا ہوں۔ اسکو کیا معلوم ہے کہ میرا دل اور دماغ اور جگر در اصل کمزور ہے یا کہ در اصل اسکی کیا حالت ہے۔ وہ اس امر سے قطعی آگاہ نہیں کہ میرا حوصلہ میرا حافظہ کیوں نہیں ہے اور ہر وقت میری طبیعت کسلمند اور متفکر کیوں رہتی ہے۔ وہ اس امر سے قطعی آگاہ نہیں ہے کہ میں اپنی نسل اپنے ہاتھ سے کھو رہا ہوں۔ اس کو اس آنیوالی آفت کی کیا معلوم ہے کہ جب میری بیوی میرے گھر آویگی اور میری قبیلداری میں عجیب فتور مچیگا تو مجھ کو کیا تشویش پیدا ہوگی۔ اور جب ڈاکٹروں اور حکیموں کے دروازوں سے ناکام رہوں گا تو طبیعت خودکشی پر آمادہ ہوگی اس کو اب تک کچھ معلوم نہیں کہ میری ٹانگیں۔ میرے بازو۔ میرا معدہ کیسا ناقابل ہوگیا ہے نہیں اسکو ان میں سے کسی بات کی معلوم نہیں ہے۔ ہائے افسوس وہ کسی امر کو نہیں جانتا صرف یہ جانتا ہے۔

(کہ میں اب تو اس کام کو کرلوں لیکن پھر نہ کروں گا)

لیکن اے بھائی بدکردار کے ترک کرنے کا یہ قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ بدکردار کو اس سے اور تقویت ہوتی ہے کیونکہ جس شخص کی کانشنس عادت کے مُطیع ہوتی ہے وہ شخص ہرگز بدکردار کو ترک نہیں کرسکتا۔ البتہ جس شخص کا فعل کانشنس کے مطیع ہوتا ہے وہ شخص ہر ایک قسم کی بدعادات اور ہر ایک افعال ناجائز کو وہ اپنے ارادہ سے کرنا چاہتا ہے ان سب پر فتح حاصل کرسکتا ہے۔

ہم افسوس کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ ہم کسی اور طریقے سے اس کو بدعادات سے نہیں روک سکتے۔ بیشک خوش قسمتی سے اگر اس کی نگاہ اپنے نقصان پر ڈالکر عبرت نہ پکڑے گی۔ تو ہم پیشینگوئی کرتے ہیں کہ بالضرور اس کے اوپر ایک سخت آفت آنیوالی ہے۔

بعض انسان اپنی یا کسی غیر کی عورت سے دن یا رات میں دو دو تین تین مرتبہ کم از کم روزمرہ یک دفعہ شوقیہ طور پر جماع کرتے ہیں۔ یہ تو بیشک ٹھیک ہے کہ ان کا ویرج باقاعدہ خارج ہوتا ہے لیکن زیادتی اخراج منی سے جسم کے اندر نقصان اس قدر ہوتا ہے کہ جسقدر مذکورہ بالا طریق سے اخراج کرنے پر ہوتا ہے۔ فرض ہوتا ہے کہ ان کی نسل قطع نہیں ہوتی۔ لیکن اولاد جو پیدا ہوتی ہے وہ بالکل کمزور ہوتی ہے۔ سابقہ محققین علم طب و علم حکمت نے اس جماع میں کہ جس کے ساتھ انزال ہو ایک سال کا وقفہ قرار دیا ہے اور وہ بھی صرف اولاد پیدا کرنے کے لئے بعض نے چھ ماہ کا بعض نے ایک ماہ کا۔ اور ڈاکٹر ہارٹن صاحب جرمنی (جو کہ دنیا میں علم حکمت کا ایک عالم گزرا ہے) نے زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ بعد جماع کرنا قرار دیا ہے۔ اور میری بھی رائے ہے کہ چونکہ منی کا قوام ۹۶ گھنٹہ دن اور رات میں پختہ ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ آٹھ روز بعد ایک دفعہ جماع کرے۔ اگر اس سے زیادہ اس طرف طبیعت کا رجحان ہو تو نہایت ضبط کرے۔ نیک آدمیوں کی صحبت اور عبادت کی مشق سے یہ باتیں واجب طور پر رہ جاتی ہیں۔ عیاشوں اور بدمعاشوں کی صحبت ان کے بھڑکانے کے لئے آگ کا کام دیتی ہے عبادت خواہ کسی طریقے سے خواہ اپنے مذہب کے قواعد سے یا اپنی زبان میں ہو اس ہضر خیال کی بیخکنی کرنے میں نہایت مفید ہے بعض آدمی اس استغراق میں ادویات امساک و مغلظ منی کھاتے ہیں۔ لیکن ان کو واضح ہو دوائی صرف بیمار کی تحفیظ کے لئے ہے۔ اس لئے ادویات کھانے سے بجائے فائدے کے کسی قسم کی کمزوری اور نقصان پیدا ہوتا ہے۔ بعض آدمی یہ سوال کرتے ہیں کہ جب کہ ہماری شادی نہیں ہوتی ہے۔ گویا ان کے

گھر میں ہوی نہیں ہے تو ہم کو جماع کرنے کے بارہ میں کیا تجویز کرنی چاہیئے۔ اول تو یہ سوال علم طب سے تعلق نہیں رکھتا ہے۔ دوم اس کی تجویز کرنا گویا عدم اسباب کی تجویز ہی تجویز ہے کہ اس کو جس طریقہ سے مناسب سمجھا جاوے مُہیا کیا جائے اگر تمام تجاویز کرنے سے کمہیانہ ہو تو اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

بعض آدمی ناک۔ کان وغیرہ کو اکثر دفعہ کریدتے رہتے ہیں۔ پس ایسا کرنے سے کئی قسم کے نقصانات واقع ہوتے ہیں۔ بعض آدمی پاخانہ و پیشاب کی جگہ جا کر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس لئے اُن کے گردہ و مثانہ اور امعار کمزور ہو کر سینکڑوں قسم کی پاخانہ و پیشاب کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پس مناسب ہے کہ بوقت حاجت استفراغ ضروریات کے مطابق خارج کیا جاوے ورنہ استفراغ میں اپنی کسی ما بہات عادت سے تفریط اور افراط کرنا نہایت باعث نقصان ہے۔

فصل ہشتم

ریاضت

جیسے کہ ہنسنا بولنا کھانا پینا وغیرہ قدرتی افعال ہیں ایسے ہی ریاضت بھی ایک قدرتی فعل ہے۔ اور جیسے کہ اور افعال کی تفریط اور افراط نقصان کرتی ہے۔ اسی طرح اس کا بھی حال ہے۔ جو لوگ حد سے زیادہ محنت کرتے ہیں ان کے جسم کے پُرزے جلدی تھک کر بیکار ہو جاتے ہیں۔ جو کم کرتے ہیں ان کے بدن پھول جاتے ہیں یہاں تک کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا ہے تمام جسم میں چربی زیادہ ہو جاتی ہے۔ گلبنڈ پھول جاتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہی بیماروں کی طرح سونا سوجھتا ہے اور نیچر کے خلاف دن میں بھی خوب خراٹے لیکر سوتے ہیں گویا ان کے لئے خداوند کریم نے دن ہی سونے کے لئے بنایا ہے۔ جہاں چار قدم چلے اور ان کا سانس اکھڑا۔ دوڑنا موت ہے۔ چونکہ یہ لوگ نکمے زیادہ ہوتے ہیں اس وجہ سے کاہل مزاج اور سُست اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں چرب زبانی تو بہت کئے جاویں لیکن حوصلہ بہت کم ہوتا ہے۔ طرح طرح سے کثرت کرنا یا کسی مقررہ وقت پر پیدل چلنا نہایت مفید ہے۔ اس لئے مذہبی ریفارمروں نے ہر ایک مذہبی اصول یا فروعات کو پورا کرتے ہوئے ریاضت کا لحاظ رکھکر دم روکنا پرانایام۔ نماز ادا کرنا۔ شہر سے ایک آدھ میل باہر مندر یا مسجد میں جانا وغیرہ یہ ایسے افعال ہیں کہ جن میں عبادت کرتے ہوئے ریاضت بھی ہو جاتی ہے پس عورت مرد امیر غریب سب کے لئے حتی المقدور ریاضت کرنا ضروری ہے ہمارے ملک میں بوجہ رسم پردگی مستورات سیر نہیں کر سکتیں۔ لیکن گھر میں پیسنا کوٹنا۔ چرخہ کاتنا۔ کھانا پکانا۔ برتن دھونا یہ سب ریاضت ہے۔

فصل نہم

صحت

اگرچہ صحت تندرستی کو کہتے ہیں۔ لیکن تندرستی کی تعریف یہ ہے کہ جو قدرتی طور پر اپنے افعال و خواص کو

لئے ہوئے اپنی حالت میں ٹھیک طور پر ہو۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو تندرست سمجھتا ہے۔ لیکن وہ تندرست نہیں ہوتا۔ مثلاً خواب کی بعض بات ایسی ہوتی ہے کہ در اصل وہ حالت پیش نہیں ہوتی کہ جو حالت انسان معلوم کرتا ہے۔ مثلاً خفقانی بیمار وغیرہ جیسے کہ انسان کے اندر ہر وقت اپنے تندرست رہنے کا خیال رہتا ہے ایسے ہی اس کو مناسب ہے کہ وہ قدرتی قواعد کی تردید کر کے کوئی مزید تکلیف پیدا نہ کرے بلکہ کسی عالم سے دریافت کر کے قدرتی قواعد کی مکمل طور پر پیروی کرے زیادتی استعمال پان۔ چار۔ حقہ۔ زیادہ بھوکا رہنا۔ جاگنا۔ اپنے جسم کو کسی مذہبی خیروعات پورا کرنے کے لئے غیر ضروری طرح طرح کی تکالیف وغیرا اپنے جسم کو بیمار بنانا سب نشان جہالت ہے۔ کیونکہ صحت اُسی حالت کا نام ہے کہ جس میں ہر ایک جزو جسم قدرتی طور پر پرورش قدرتی طور پر موجود رہ کر قدرتی لازمی افعال کو پورا کر رہا ہو۔ +۔

فصل دہم

بیماری

بعض انسان تو مجبوراً اتفاقیہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ بعض دانستہ بیمار ہوتے ہیں۔ مثلاً غریب آدمی کو پیٹ کے بھرنے کو روٹی اور جسم کے ڈھکنے کو کپڑا نہ ملنے سے۔ اور قسم دوم نازک مزاج اور امیر آدمی اپنے آپ کو خود بیمار بنائے تے ہیں۔ جسم تندرست ہے۔ لیکن حکیم و ڈاکٹر کی صحبت و اُن کے بہکانے سے طاقت کی ادویات کھا رہے ہیں کیسی ہی قیمتی دوائی کیوں نہ ہو۔ حالت صحت میں اس کا استعمال ضرور بالضرور مضر پڑے گا۔ اور دیگر تکلفات سے بھی انسان بیمار بن جاتا ہے۔ آج بیٹھے بٹھائے کوئی معمولی چیز کھائی۔ اس نے ذرا قبض کیا حکیم جی پاس بیٹھے ہیں۔ ان سے دستاور دوائی کھائی اور بدپرہیزی علیحدہ کی چلو بیمار ہو گئے۔ زیادہ مباشرت کا شوق چڑھا امساک کی ادویات کھا کر خراب ہوئے جو کچھ طاقت اعضائے رئیسہ میں تھی نکل گئی۔ جس سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ نزلہ کی بیماری پیدا ہو گئی۔ جو کہ سینکڑوں بیماریوں کی بنیاد ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ حکیم اور ڈاکٹروں کی باتوں میں آکر اپنے آپ کو بیمار نہ سمجھے اور حتی المقدور دوائی بہت کم استعمال کرے بلکہ قدرتی قوانین پر اپنے جسم کی حفاظت کرتا رہے۔ اور ذرا ذرا سی تکلیف میں اپنے آپ کو بیمار نہ خیال کرے۔ کیونکہ اسی طرح بعض نواب زادوں نے اپنے آپ کو نہایت نازک اندام سمجھ کر اور کام کاج سے علیحدہ ہو کر اور خواہ مخواہ طرح طرح کے روحانی و جسمانی امراض میں مبتلا ہو کر وہ تکالیف اُٹھائی ہیں کہ بھلے چنگے آدمی بڑی بڑی مہلک بیماریوں کا شکار ہو گئے۔

فصل اکازدہم

موت

کال چکر دنیا میں ابتداء سے نہایت تیز کلہاڑا چلا آتا ہے۔ کیا پھلدار کیا خاردار۔ اس کے حساب میں سب

برابر ہیں۔ یہ کلہاڑا نہ تو پھول پھل اور سبز ٹہنے کو دیکھتا ہے نہ گہری بنیادوں کو دیکھتا ہے بلکہ سب کو بے دھڑک کاٹتا چلا جاتا ہے۔ کہاں ہے راجہ راون۔ جو لنکا میں راج کرتا تھا۔ اور اپنے برابر کسی کو نہ سمجھتا تھا۔ کہاں ہیں وہ کورؤں اور پانڈوں کے دَل کے دَل جو کہ مہابھارت میں شیروں کی طرح گرجتے پھرتے تھے اور جو آگے آتا تھا وَلتے چلے جاتے تھے۔ کہاں ہیں وہ یُوسف پری رُو کہ جن کے آگے بہشت کی حوروں کی تعریف میں مبالغہ سمجھا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ اُن سب کو گھروں میں سے نکالکر سیجوں پر سے اٹھا کر تخت حکومت سے جدا کرکے وہاں آسلاتا ہے کہ جہاں یا تو مٹی کے کیڑے جسم کو کھا کر مٹی میں ملا دیتے ہیں یا راکھہ کا ڈھیر بن کر ہوا میں اُڑ جاتا ہے جہاں نہ تو کوئی نوکر آتا نہ رشتہ دار دوست آشنا جاکر خبر لیتا ہے اور نہ کوئی کنبے کا آدمی جاکر پاس پھٹکتا ہے اور نہ کوئی دشمن چور لٹیرا جاکر کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ خاک کے ڈھیر پر اکیلا سویا ہوا ہوتا ہے۔ تمام سردی گرمی بارش دھوپ اوپر گرتی ہیں۔ کیسا وقت ہے کہ جس وقت انسان کے دم نکلنے لگتے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر۔ حکیم۔ دانا اس کے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں بتلا سکتا۔ اس کی عزیز بیوی اس کے بچے اس کا والد اور دیگر رشتہ دار اپنا سر پیٹ پیٹ کر ستیا ناس کر دیتے ہیں۔ لیکن کیا مجال کہ ایک منٹ کا بھی تامل ہو سکے۔ اے موت اس وقت تو اتنا بھی وقت نہیں دیتی کہ اپنے دل کا ارادہ اپنے دل کی بات کسی سے کہہ تو دے۔

اے موت

ایک اندھا اور ایک اندھی اور اس کا ایک نوجوان لڑکا جو کہ خود مزدوری کرکے اپنا پیٹ بمشکل تمام بھر کر تھوڑے بہت کھانے کپڑے سے اپنے اندھے والدین کی حفاظت کیا کرتا تھا۔ جن پر کہ انکی زندگی کا دارومدار تھا آج وہ لڑکا تیرا شکار ہو رہا ہے۔ وہ اندھا اور اندھی سر پیٹ رہے ہیں۔ رو رہے ہیں سسک رہے ہیں۔ لیکن رحم تو در کنار کچھ خیال تک بھی نہیں ہے کہ انکی کیا حالت ہوگی۔ ابھی ایک لڑکے اور لڑکی کی شادی ہوئی ہے۔ دونوں طرف خوشیاں ہو رہی ہیں۔ بڑی بڑی مرادیں پوری کرنے کی اُمیدیں کیجا رہی ہیں لیکن اے موت تو نے جنگل کے شیر کی طرح اس کو آدبوچا کہ ایک منٹ میں نوالہ کر گئی بالکل خیال نہ کیا کہ لڑکی ناکردہ گناہ تمام عمر کے لئے بیوہ ہو کر طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاویگی۔ ایک والدہ کے دو چھوٹے چھوٹے غریب معصوم بچے گود میں ہیں بچاری پیسنا پیسکر ان کی پرورش کر رہی ہے دیگر کوئی آدمی خبر گیران نہیں ہے۔ اے موت جسوقت ان تڑپتے ہوئے بچوں کو چھوڑ کر تو اُن کی والدہ کو آناً فاناً میں ٹرپ کرتی ہے۔ تو اس وقت تیرے دلمیں ذرا بھر بھی ان معصوم بچوں کا خیال نہیں گزرتا ہے۔ کہ بیرحم سے بیرحم بھی ایسے موقع پر درگزر کر دیتا ہے۔

دراصل موت کا خیال بھی انسان کو کئی گناہوں سے بچاتا ہے۔ بھلے آدمی ہر وقت اپنے دل میں یہ خیال کرتے رہتے ہیں کہ آخر ہم کو مرنا ہے دنیا چند روزہ ہے۔ اپنے جیتے جی ہم کیا کسی کو تکلیف دینگے۔ دشمن تک سے بھی انتقام لینا پسند نہیں کرتے۔ ناجائز طریق پر روپیہ حاصل کرنا تو کیا معنی کسی کی ایک کوڑی کی بھی حق تلفی نہیں کرتے۔ کسی کو ایسا بدکلام نہیں کہتے ہیں کہ جو اس کو ناگوار معلوم ہو۔ کسی سے ایسا فعل نہیں کرتے کہ جو اس کے اندر سے یہ آواز نکلے کہ تو نے میرا ناحق بُرا کیا۔ ایسے آدمی دنیا میں نیک ہوتے ہیں اور بہت مدت تک دنیا کے لوگ ان کو نیک نامی سے یاد کرتے۔ انکی زندگی کا مطالعہ کرکے عبرت حاصل کرتے ہیں

درصل نیک اور بد کی یہ بھی ایک صاف پہچان ہے کہ جس کو عام لوگ نیک یا بد کہتے ہیں۔ دوست اور دشمن تو انسان کو اچھا یا بُرا ابتلا یا ہی کرتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جن کو کہ اُس انسان سے دوستی یا دشمنی کا تعلق نہ ہو۔ کسی انسان کی نسبت اچھا یا بُرا ہونے کا فیصلہ دیں بالضرور حق پر ہوتے ہیں۔ پس انسان کو مناسب ہو کہ موت کا خیال رکھکر۔ کسی کی حق تلفی۔ کسی پر ظلم۔ کسی پر سختی۔ کسی کے ساتھ بُرائی۔ ہرگز ہرگز نہ کرے۔ خواہ وہ کتنا ہی دولت مند۔ عقل مند۔ شہ زور۔ عالم۔ فاضل۔ حاکم۔ صاحب رتبہ کیوں نہ ہو۔ کیونکہ نیکی کے درخت پر وہ پھل لگتے ہیں۔ کہ جس کو کھا کر ہمیشہ کے لئے انسان زندہ جاوید ہو جاتا ہے +

فصل دوازدہم

حیات مابعد الموت

ہر ایک مذہب کے انسان کا یہ خیال ہے کہ موت کے بعد بھی کوئی حالت ہے۔ اور تمام مختلف مذاہب کے ریفارمروں نے مختلف تشریحات کے ساتھ اس کی کیفیت بیان کی ہے جو کہ سب کی سب یکساں معنی رکھتی ہے۔ اور اگرچہ اُن تمام حالتوں کا یا اُن میں سے ایک کا ٹھیک اور باثبوت پتہ کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ صرف تحکمانہ طور پر تعلیم دیجاتی ہے۔ کہ یہ بات تم کو بہ قواعد مذہبی مجبوراً تسلیم کرنی پڑے گی۔ ہاں بیشک یہ قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو ناجائز نقصان دہ افعال کے روکنے کے لئے نیکی کرنے والوں کے واسطے گوشت کے بھُنے بھُنائے پہاڑ۔ پاک شراب کے ندی نالے۔ حوروں و غلمانوں کے ساتھ عیش و عشرت زود ہضم و لذیذ میوہ جات کے باغات۔ واپسرائیں واندر لوک کے عیش و طرب کے سامان وغیرہ اور طرف ثانی کے لئے دوزخ کی آگ۔ وبچھو۔ سانپ۔ تتیئے وغیرہ کے غار جن میں کہ پاپی لوگ ڈالے جائینگے۔ اور انسانی جسم چھوڑنے کے بعد گدھے۔ کتے۔ بندر۔ ریچھ وغیرہ کے جسم اختیار کرنا اور طرح طرح کی تکالیف اُٹھا کر اُن اجسام کو چھوڑنا وغیرہ وغیرہ قرار دئے ہیں۔ جن کا سوائے مذہبی کتابوں کی تحریرات کے اور کسی دیگر علم کی رو سے کوئی مدلل ثبوت نہیں ہے۔ مذاہب کی طرف یہ سوال پیدا ہونا کہ کیا بہشت اور دوزخ وغیرہ کی نسبت تمام مذاہب نے ہی غلط بیانی تحریر کی ہے۔ خود ہر ایک مذہب ہی اس کو غلط ثابت کر رہا ہے۔ کیونکہ اگر واقعی ان مقامات اور ان حالتوں کی کوئی بنیاد ہوتی تو سب کے سب قریب قریب یکساں فوٹو دکھلاتے۔ لیکن چونکہ اپنی رائے ظاہر کرتا ہوا ہر ایک مذہبی ریفارمر ایک دوسرے کے خیالات و قیاس کو ردّی ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے سمجھا گیا کہ درصل ان مقامات کی اور ان حالتوں کے بیان کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اور ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اور نہ اس کو کوئی مذہبی ممبر تسلیم کریگا کہ ہر ایک ملک کے ہر ایک مذہب کے انسانوں کے بہشت دوزخ علیحدہ علیحدہ ہیں +

درصل اَب تک یہ معاملہ زیر بحث ہے کہ موت کے بعد آیا کوئی حالت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو واقعی کیا حالت ہے۔ جن مذاہب کا یہ خیال ہے کہ موت کے بعد متوفی انسان کی رُوح کو ہم کچھ ثواب۔ عذاب۔ کھانا۔ کپڑا دُعا۔ بد دُعا۔ آرام۔ تکلیف۔ خود یا کسی دیگر مذہبی لیڈر کے ذریعہ سے پہنچا سکتے ہیں۔ بالکل بے بنیاد ہے۔

اور نہ کوئی علم ۔ مثلاً علم سائنس ۔ علم منطق ۔ فزیالوجی وغیرہ اس کی شاہد ہیں ۔ نہ کوئی متوفی کہیں پر کھُو کا یا ننگا بیٹھا ہوا کھانے اور کپڑے کا پس ماندگان سے انتظار کر رہا ہے ۔ اور نہ کوئی پہنچا سکتا ہے ۔ وہ صرف دِل بھلاؤ کی باتیں ہیں ۔ علم مسمریزم کی کارروائی مثل ایک مداری کے ہے ۔ جس طرح مداری کے کھیل سمجھ میں نہیں آسکتے اسی طرح کسی اندھیر کوٹھڑی میں سے کسی آواز کا نکلنا سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیا بھید ہے اور اس کے بارہ میں جو کہ مذہبی تعلیم مثلاً جان نکلنے کے بعد اُس راستہ کو جانا ہو گا ۔ راستہ میں وہ وہ تکالیف آرام ہوں گے آگے دھرم راج یا ملک الموت کا دربار ہو گا وہاں انسان کا اعمالنامہ پیش ہو گا ۔ اُسکے مطابق سزا یا جزا ہو گی وغیرہ وغیرہ ۔ ڈراؤنی اور عبرت انگیز کہانیاں اور لطیفے ہیں جو کہ ایک فائدے کے جزو کو مدنظر رکھ کر بنائے گئے ہیں درحقیقت موت کے بعد کی حالت کا واقعی پتہ کوئی نہیں لگ سکا ہے بیشک قیاساً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اور چیزیں معمولی حالت سے خراب ہو کر بیکار ہو جاتی ہیں اسیطرح انسانی جسم کا حال ہے ۔ قانون قدرت کا اُصول سب چیزوں کے لئے یکساں ہے جس طرح اور چیزیں بنتی اور بگڑتی ہیں اسیطرح اس کا حال ہے ۔ خدائی انتظام اسی طرح پر دکھلائی دیتا ہوا نظر آرہا ہے کہ کل چیزیں اپنے تمام اجزا کو حاصل کر کے جو اُن کے مرکبات کے امتزاج سے تاثیر پیدا ہوتی ہے وہی اُن کا فعل ہے ۔ اور جب اُس امتزاج میں جسقدر فرق آجاتا ہے اپنے فعل سے علیحدہ ہو کر دوسری صورت اختیار کر لیتی ہیں ۔ جیسے کہ انسانی جسم مٹی میں دفنا کر چند روز بعد مٹی ہو جاتا ہے ۔ نجات یا جو کچھ بھی اسی بہشت اور دوزخ کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں ۔ ورنہ خدا کا وجود ایسا نہیں ہے کہ کوئی جز اُس کے وجود سے علیحدہ ہو سکے یا اُس میں شامل ہونے کی گنجایش ہو ۔ ہر ایک چیز کی نجات ہر ایک چیز کی تاثیر اور فعل کے ساتھ ہے ۔ پیدا ہونا اور فنا ہونا یہ خاص خاص امتزاج کی خاصیت ہے ۔ چنے کا دانہ اُگ کر بڑھتا ہی پھیلتا ہے اپنے پرورشی اجزا کو دُنیا میں سے حاصل کر کے پھولتا ہے ۔ ہزارہا دانے پیدا ہو جاتے ہیں ۔ اگر اُن سب کو بیکار ہونے کی صورت میں یا باکار ہونے کی صورت میں پھُونک دیا جاوے تو سب کی سب خاک ہو جاتی ہیں کوئی گمان نہیں ہو سکتا کہ چنے کا دانہ جو کہ جل گیا ہے پھر جا کر ملک الموت کے آگے کھڑا ہو کر حساب کرائیگا اور پھر کبھی مکی یا باجرہ یا گیہوں کے دانہ میں جنم لیگا ۔ اسی طرح جانداروں کا حال ہے ۔ پس اسکی بابت کوئی مُدلل ثبوت نہیں ہے کہ کسی چیز کے مرنے کے بعد اُسکی کیا حالت ہوتی ہے ۔ اور جو حالت ہماری دیدو دانست میں ہوتی ہے وہ ظاہر ہے ۔ رہی یہ بات کہ جو شخص بڑے زعم سے یہ بات کہتے ہیں کہ اس کی بابت دریافت کرنے کی اُنہی اولیاء پیغمبروں ۔ ریفارمروں ۔ رشیوں ۔ مہرشیوں کی طاقت تھی اسکی بابتہ جواب دیدیا گیا ہے کہ اُن سب کی رائے میں بالکل اختلاف ہے ۔ جو کہ اُن کی عدم واقفیت کا کافی ثبوت ہے ۔ فقط ۔

دِلّی پرنٹنگ ورکس دہلی میں لالہ ٹھاکر داس پرنٹر کے اہتمام سے چھپا